فصل اوّل
مغربی نظام تعلیم

تعلیم کی اہمیت

ہر قوم اور ہر معاشرہ اپنا ایک مخصوص نظریہ حیات رکھتا ہے کہ وہ افراد معاشرہ کو کن خصوصیات سے متصف دیکھنا چاہتا ہے۔ ان کی انفرادی و اجتماعی زندگیاں کن اصولوں کے مطابق ہوں گی اور ان کے باہمی معاملات کیونکر انجام پائیں گے۔ کسی قوم کا نظریہ حیات ان امور میں افراد معاشرہ کی رہنمائی کرتا ہے۔ تعلیم چونکہ معاشرتی عمل کا ایک حصہ ہے لہٰذا کوئی بھی قوم یا ملت مقاصد تعلیم اپنے نظریہ حیات کی بنیاد پر ہی طے کرتی ہے کیونکہ تعلیم ہی وہ عمل ہے جس سے اسے مطلوب صلاحیتوں کے حامل افراد مل سکتے ہیں۔ انہی مقاصد کی روشنی میں تدریسی لوازمہ تیار کیا جاتا ہے۔ تدوین نصاب ہوتی ہے، درسی کتب تیار کی جاتی ہیں اور طلبہ کی دیگر سرگرمیاں ترتیب دی جاتی ہیں۔ مختلف مضامین اور سرگرمیوں کی تدریس کے لیے مختلف طریقے استعمال کرنا ضروری ہوتا ہے ایک ہی طریقے سے سب کچھ پڑھایا اور سکھایا نہیں جا سکتا۔

تعلیم کے مختلف نظریات

زندگی کے تمام شعبوں کی طرح تعلیم کے بارے میں بھی مختلف نظریات ہیں جن میں اہم یہ ہیں:

۱۔ اشتراکی نظریہ تعلیم۔ ۲۔ جمہوری نظریہ تعلیم۔

۳۔ اسلامی نظریہ تعلیم۔

۱۔ اشتراکی نظریہ تعلیم

اشتراکیت دراصل وہ نظریہ حیات ہے جس نے گزشتہ صدی میں انسانیت کے ایک بڑے حصے کو یرغمال بنائے رکھا مغرب کے نظام سرمایہ داری اور معاشی ناہمواریوں کے خلاف بغاوت کا علم بلند کرنے والے اشتراکی رہنماؤں کارل مارکس اور لینن نے اپنے تئیں دنیا کے تمام دکھوں اور غموں کا مداوا کرنے کو اشتراکی نظریہ پیش کیا لیکن درحقیقت اس نظریے نے معاشی مساوات اور معاشرتی انصاف کے نام پر جبر و استبداد اور کلیت و آمریت کا بدترین نظام دنیا پر مسلط کرنے کی کوشش کی۔ اس نے مذہب کو اپنا دشمن سمجھا اور مذہبی اقدار و روایات کی پامالی کو اپنا فرض اولین سمجھ لیا۔ یہی لا دین سوچ اشتراکیت کے نظریہ تعلیم میں بھی نظر آتی ہے جس کی خوبیاں اور خامیاں درج ذیل ہیں:

تعلیم سب کے لیے ہے عام، لازم ومفت ہے۔ طلباء کو کھانا، کپڑا اور تعلیمی سامان بھی ریاست کی طرف سے مفت فراہم کیا جاتا ہے۔ بلالحاظ مذہب وملت، رنگ ونسل، جنس وطبقہ ہر ایک کو ایک سی تعلیم حاصل کرنی پڑتی ہے ذہنی جسمانی کام کرنے والوں میں تفریق نہیں کی جاتی۔

مدرسے کے تمام مضامین مصروفیات اور مشاغل میں افادی نقطۂ نظر حاوی رہتا ہے یعنی وہی کچھ سکھایا اور پڑھایا جاتا

ہے جس سے مادی فائدہ پہنچے اور ملکی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لیے تعلیم مقامی صنعتوں سے مربوط کر دی جاتی ہے۔ نصاب تعلیم درسی کتب اور طریقہ تدریس سب ریاست کا تجویز کردہ ہوتا ہے طلباء کو مضامین کے انتخاب اور اساتذہ کو طریقہ تعلیم کے ضمن میں کوئی آزادی حاصل نہیں ہوتی۔

دنیا میں موجود ہر شخص اگرچہ معاشرے کا ایک حصہ ہوتا ہے لیکن اس کی اپنی بھی کوئی شخصیت اور شناخت ہوتی ہے اشتراکی نظام تعلیم میں وہ شناخت کچل کر رکھ دی جاتی ہے چونکہ نہ تو طلباء کو ان کی طبائع اور رجحانات کے مطابق مضامین کے انتخاب کی آزادی ہوتی ہے اور نہ ہی اساتذہ اپنی مرضی سے طریقہ تدریس منتخب کر سکتے ہیں لہٰذا تعلیمی عمل غیر موثر اور بے جان ہو جاتا ہے اور ان سے بہترین انسانوں کے بجائے ڈھلے ہوئے پرزے تیار ہو کر نکلتے ہیں۔ تعلیم محض دنیاوی مفاد کے لیے کچھ پڑھنے اور سیکھنے کا نام نہیں۔ ہر عمل میں افادیت کا تصور طلبہ کے ذہنوں میں بٹھا دینے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ایثار و قربانی اور ہمدردی و اخوت کے جذبات ناپید ہو جاتے ہیں۔

ایسے ہی نظام تعلیم کے بارے میں پروفیسر سعید اختر نے قائداعظم کے الفاظ نقل کیے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ قائداعظم نے فرمایا: ''ایسے نظام تعلیم میں عرفانِ خدا کا تصور نہیں اور معنوی بصیرت کا سرے سے فقدان ہے۔''[۱]

۳۔ جمہوری نظریہ تعلیم

جدید مغرب کا نظام زندگی جمہوریت کہلاتا ہے۔ انتخابات، پارلیمنٹ، آزادی رائے، معاشرتی مساوات کے نعرے جمہوریت کی خصوصیات سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے ہاں بھی تعلیم کا مقصد افراد کو مملکت کا مفید شہری بنانا ہے۔ جمہوری نظام تعلیم کی خوبیاں اور خامیاں کچھ یوں ہیں۔

ابتدائی تعلیم عمومی اور لازمی ہوتی ہے بعض ملکوں میں مفت بھی ملک کے باشندوں کو تعلیم دینا حکومت کے اہم فرائض میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔ فرد اور معاشرے دونوں کی اہمیت دی جاتی ہے۔ طلبہ کو مضامین اور اساتذہ کو طریقہ تدریس کے انتخاب کی آزادی ہوتی ہے بلکہ جدید رجحان تو یہ ہے کہ نصاب بھی استاد خود تیار کرتا ہے اور اسے پڑھانے کا طریقہ بھی خود سوچتا ہے۔

جمہوری نقطہ نظر بھی اعلیٰ و ارفع مقاصد زندگی سے خالی ہے۔ جدید جمہوری نظام تعلیم ابتدا ہی سے طلبہ کو قوم پرستی اور وطنیت کا نشہ پلا کر تعصب و تنگ نظری کی دلدل میں دھکیل دیتا ہے۔

۴۔ اسلامی نظریہ تعلیم

اسلامی نقطہ نظر سے تعلیم کی خوبصورت اور جامع تعریف پروفیسر سید محمد سلیم نے کچھ اس طرح کی ہے:

> ''تعلیم وہ اجتماعی عمل ہے جس کے ذریعے معاشرہ نوخیز نسلوں کو اسلامی تصور حیات سکھاتا ہے۔ اسلامی عقائد و افکار ان کے اذہان میں راسخ کرتا ہے۔ اسلامی افکار کی روشنی میں آداب زندگی اور اخلاق کی تربیت دیتا ہے۔''[۲]

۱۔ پروفیسر سعید اختر ''ہمارا نظام تعلیم'' ص ۱۱۴، ۱۱۵

۲۔ عامر شہزاد، تعلیم مفہوم، اہمیت۔ طریقہ کار۔ ص: ۲۰ ماہنامہ نظامت۔ اپریل ۲۰۰۴۔

اسلامی نظام زندگی کی اساس توحید پر ہے۔ کائنات میں نظر آنے والی جامعیت و انفرادیت سبھی اس خالق حقیقی کی قدرت کاملہ کا پرتو ہیں۔ پھر اسلام محض عبادات و رسومات کا نام نہیں معاملات اور حقوق و فرائض کی ادائیگی بھی اس کا حصہ ہے۔ مسجد و مکتب میں ہی نہیں بلکہ کاروبار معیشت اور امور سلطنت سبھی میں راست روی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور اسی لحاظ سے ایسے رجال کار تیار کرتا ہے جو ان امور کو کماحقہ انجام دے سکیں۔ اسلامی نظام تعلیم انہی مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔

اسلامی نظام تعلیم کی خصوصیت:

بنیادی دینی تعلیم ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض قرار دی گئی ہے۔ اس کا بندوبست ریاست کے ذمے ہے۔ معلم، سرپرست، مسلم معاشرہ اور اسلامی نظم حکومت سب مل کر اس فرض کی تکمیل میں معلم کا ساتھ دیتے ہیں۔ ایسے علوم کو ترجیح دی جاتی ہے جن میں پوری انسانیت کا نفع ہو۔ لیکن نفع یا افادیت کا تصور محض مادی نہیں۔ انفرادی عائلی اور اجتماعی ذمہ داریوں کے مابین توازن کا درس دیا جاتا ہے اور ان ذمہ داریوں کو اللہ اور رسول اکرمؐ کے احکام کے مطابق ادا کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔

اسلام کی نظر میں تعلیم محض معلومات پہنچا دینے کا نام نہیں بلکہ تربیت کا ایک مربوط عمل ہے جس میں طلبہ کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کو ہم آہنگی سے پروان چڑھانے کی فکر کی جاتی ہے۔ توحید، رسالتؐ اور آخرت کے عقائد کو شخصیت کی بنیاد قرار دے کر ان پر ایک صالح زندگی اور عادلانہ طرز حیات کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے۔

نظام تعلیم کے بنیادی عناصر

معلم + والدین + نصاب تعلیم + طالب علم چار بنیادی عناصر ہیں۔ یہ جملہ بارہا سننے کو ملتا ہے:

Man Behind the gun یعنی اصل حیثیت بندوقچی کی ہوتی ہے جو ٹارگٹ پر ٹھیک ٹھیک نشانہ لگاتا ہے اور یہاں معلم Man behind the gun ہے، گن نصاب تعلیم ہے ٹارگٹ متعلم کی تعلیم ہے اور والدین فراہمی اسلحہ (نصاب) کے ساتھ ساتھ ٹارگٹ واضح رکھنے (طالب علم کو معقول تعلیمی ماحول میسر رکھنے) کے لیے ذمہ دار ہیں۔ ان سب اجزا کے اشتراک سے مطلوبہ نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے۔

معلم:

معلم پورے نظامِ تعلیم میں کنگ پن ہے۔ اسی مرکزی نقطہ کے گرد سارا نظامِ تعلیم گھومتا ہے۔ معلم ہونا آج اگرچہ سبکی سمجھی جاتی ہے مگر فی الواقع معاشرتی سطح پر یہ افضل ترین مقام و مرتبہ ہے کہ یہ انسانیت کی نیابت ہے۔ جب تک نیابت کا یہ شعور زندہ و اجاگر رہا، قدر و منزلت معلم کا مقدر رہی اور جب خود معلم اس سے منحرف ہوا قدر و منزلت اس سے چھنتی چلی گئی اور آج جو حال ہے وہ ہر کسی کے سامنے ہے۔

''ایک معلم کو بہر حال یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ رویوں کی معقول نشوونما اور اس کے لیے موزوں معلومات کو وسعت کے ساتھ مہیا کرنا اس کا فرض منصبی ہے''۔

والدین:

تدریسی 'مربع' کا دوسرا 'ضلع' والدین ہیں جو اہمیت کے نقطہ نظر سے کسی طرح بھی معلم کے درجے سے کم نہیں ہیں بلکہ شاید ان کی اہمیت کچھ زیادہ ہی ہے۔ اس لیے کہ بچہ سکول میں محدود وقت گزارتا ہے، بقیہ تمام وقت والدین کی سرپرستی میں (شعوری یا غیر شعوری) گزرتا ہے۔ مدرسہ میں معلم کے دیے سبق سے گھر میں کچھ مطابقت یا توجہ مل گئی تو محنت بے کار نہیں گئی اور عدم توجہ کی کیفیت پیدا ہوگئی تو مدرس کی محنت اکارت گئی یا جس قدر توجہ کا فقدان رہا اسی قدر محنت رائیگاں گئی۔

اولاد کے درخشاں مستقبل کا والدین کو شعور ہے تو وہ ہمہ وقت اس کوشش میں رہتے ہیں کہ مدرسہ میں ان کے بچوں کو اچھے اساتذہ ملیں اور مدرسہ سے واپسی پر گھر میں صحت مند تعلیمی ماحول ان کی اولاد کا مقدر بنے۔ جو والدین مذکورہ کوشش میں کمزور رہتے ہیں ان کو مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوتے۔ کامیابی یا ناکامی کی شرح کا دارومدار اولاد پر محنت کی شرح پر ہے۔

والدین کے قول وفعل کا تضاد، والدین کا بعض قباحتوں میں خود عملاً ملوث ہونا مگر اولاد سے بچے رہنے کی توقع رکھنا، مثلاً خود جھوٹ بولنا، گالی بکنا، تمباکو نوشی کرنا یا دیگر عادات بد میں ملوث ہونا اور اولاد کو ایسی عادات سے محفوظ رکھنے کی آرزو کرنا یا عملاً تگ ودو کرنا صریحاً خود فریبی ہے۔ والدین کی ذمہ داری گھر کے ماحول کو درست رکھ کر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ انہیں مدرسہ کے اوقات کار کے بعد بچے کی گھر سے باہر نشست و برخاست اور سوسائٹی کا بھی مکمل علم ہونا چاہیے۔

نصاب:

نصابِ تعلیم کی حیثیت ڈاکٹر یا حکیم کے اس نسخے کی طرح ہے جو مریض کی تکلیف، علامات، صحت کی ضروریات اور اس کے وسائل کی روشنی میں تجویز کیا جانا ضروری ہے، ورنہ مریض استفادہ نہ کر سکے گا شفاء سے محروم رہے گا۔ یوں معلم اور والدین کے اہم مقام کے ساتھ اہم ترین مقام نصاب تعلیم کا ہے۔

طالب علم:

تعلیمی عمل کا اصل ہدف طالب ہی ہے۔ اسے علم کے اسلحے سے لیس کرنا اور معاشرے کا صالح فرد بنانا نظام تعلیم اور تعلیمی عمل کا اصل مقصد ہے۔ اگر یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو تعلیم کامیاب ہے اور اگر یہ مقصد کھوٹا ہو جاتا ہے تو تعلیمی عمل وقت، پیسے اور صلاحیتوں کے ضیاع کے سوا کچھ نہیں۔

نظام تعلیم کی دوئی

جیسا کہ بتایا گیا، نظام تعلیم نئی نسل کو قومی تقاضے پورے کرنے کے لیے تیار کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ بات ضروری ہے، کہ نئی نسل میں ذہنی ہم آہنگی کو پروان چڑھایا جائے۔ نیز وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ اپنی قومی ومذہبی روایات کی پاسداری کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ اس لیے یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ نظام تعلیم یا طریقہ تعلیم میں دورنگی پائی جاتی ہو۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ مغربی علوم کے ساتھ اسلامیات کی پیوندکاری کو مضر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک طرف آپ ایک طالب علم کو تمام دینوی علوم اس طریقے سے پڑھاتے ہیں کہ وہ محسوس کرتا ہے

کہ یہ سارا کارخانہ بے خدا ہے اور خدا کے بغیر چل رہا ہے اور خوب کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ جو علم وہ پڑھتا ہے اس میں اس سے کہیں بھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ اس کارخانہ دنیا میں یہ کارخانہ زندگی میں کہیں خدا کا کوئی مقام ہے، کہیں رسول کا مقام ہے، کہیں وحی کی حاجت ہے! سارے کا سارے نظام زندگی کو اسی نقطہ نظر سے دیکھتا ہے ...... اس کے بعد اسے دینیات کی کلاس میں لے جا کر اس کو بتاتے ہیں کہ خدا بھی ہے، رسول بھی ہے، وحی بھی آئی ہے اور کتابیں بھی آئی ہیں ذرا غور کریں کہ مجموعی تصور سے الگ اور بالکل بے تعلق کر کے یہ اطلاع جو آپ اس کو دے رہے ہیں اس کو اس مجموعے میں آخر کہاں نصب کرے گا؟ کس طرح پھر آپ کو طالب علم سے یہ توقع ہوسکتی ہے کہ کائنات اور زندگی کے بے خدا تصور کے ساتھ دینیات کی یہ پوٹلی جو آپ الگ سے اس کے ہاتھ میں تھما دیتے ہیں اسے وہ کھول کر روز کے روز اپنے دوسرے اجزائے علم کے ساتھ ترکیب دیتا رہے گا اور خود بخود اپنے ذہن میں ایک باخدا تصور مرتب کرتا رہے گا؟'' [۳]

مغربی تعلیم کو ہمارے اسلامی نظام تعلیم میں پروان چڑھانے کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال مولانا مودودیؒ اس طرح سے دیتے ہیں:

''اگر کوئی پودا ایک جگہ سے اکھاڑ کر کسی دوسری جگہ لگا دیا جائے، جہاں زمین، آب و ہوا، موسم، ہر چیز اس کی طبیعت کے خلاف ہو تو وہ وہاں کبھی جڑ نہ پکڑ سکے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ مصنوعی طور پر اس کے لیے وہی حالات پیدا کر دیے جائیں جو اس کی قدرتی جائے پیدائش میں تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ لیبارٹری کی مصنوعی زندگی ہر پودے کی تمام عمر کے لیے میسر نہیں آسکتی۔ اس غیر معمولی صورت حال کو نظر انداز کر دینے کے بعد یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ کسی پودے کو اس کی اصلی جائے پیدائش سے اکھاڑنا اور ایک مختلف ماحول میں لے جا کر لگا دینا دراصل اسے ہلاک کر دینا ہے۔''

اچھا اب ذرا اس بدقسمت پودے کی حالت کا اندازہ کیجیے جو اپنی زمین سے اکھاڑا نہیں گیا، اپنے ماحول سے نکالا بھی نہیں گیا؛ وہی زمین ہے، وہی آب و ہوا وہی موسم جس میں وہ پیدا ہوا تھا مگر سائنٹیفک طریقوں سے خود اس کے اندر ایسی تبدیلی پیدا کر دی گئی ہے کہ وہیں اس کی جائے پیدائش میں اس کی طبیعت اس کی زمین، اس کی آب و ہوا اور اس کے موسم سے بے لگاؤ اور بے گانہ ہو کر رہ گئی ہے۔ اسی مثال کے حوالے سے مولانا مودودیؒ مزید لکھتے ہیں:

''ہماری درس گاہوں میں بھی طلبہ کے ساتھ یہی کچھ ہو رہا ہے اس سر زمین میں اس سوسائٹی میں پیدا ہوئے یہی زمین، یہی تمدنی آب و ہوا اور یہی تہذیبی ماحول ہے۔ جس کی پیداوار طلبہ میں ہمارے نوجوان طلبہ کے نشوونما پانے اور پھل پھول لانے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ اسی زمین میں جڑیں پھیلائیں اور اسی آب و ہوا سے زندگی حاصل کریں۔ اسی ماحول سے نوجوان طلبہ کو جتنی زیادہ مناسبت ہوگی اسی قدر زیادہ بالیدگی نوجوان طلبہ کو نصیب ہوگی اسی قدر زیادہ اس چمن کی بہار میں

۳۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ''تعلیمات'' ص ۱۳۵-۱۳۶

اضافہ ہوگا۔''۴

اسلامی نظام تعلیم پر شب خون

ہمارا نظام تعلیم قیام پاکستان کے پہلے ہی دن سے درست راستے پر ڈالنے کی ضرورت تھی تاکہ قائد کے افکار اور نظریہ پاکستان کے تقاضوں کو پورا کرنے والی ایک نسل وجود میں آتی۔ مگر بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوا اور ہمارا نظام تعلیم آزادی حاصل کرنے کے بعد بھی اسی ڈگر پر چلتا رہا جس پر انگریز اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ اس کے برعکس وقفے وقفے سے حکمران اور مغرب زدہ طبقے رہی سہی کسر بھی نکالتے رہتے ہیں۔ طاغوتی فکر کے پیروکاروں کا تازہ ترین حربہ اسلام آباد کی این جی اوز کا تیار کردہ مکروہ رپورٹ کی شکل میں سامنے آیا ہے۔ Sustainable Development Policy Institute. کی تیار کردہ رپورٹ جو کہ ۱۱ ابواب اور ۱۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ گزشتہ ربع صدی کے دوران پاکستان کے نظام تعلیم میں آنے والی تبدیلیوں کو 'مکارانہ انحراف' قرار دے کر مکاری کی انتہا کر دی گئی ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے:

> ''پاکستان کے قومی مقاصد میں صرف ترقی پسند، جدید اور جمہوری مملکت کا قیام شامل ہے اور فی الوقت پاکستان جنوبی ایشیا کی تاریخ، ثقافت اور وحدت کا علمبردار ہے۔ چنانچہ پاکستان کے نصاب تعلیم میں اگر قرآن وسنت کا تذکرہ کہیں جائز ہوسکتا ہے تو وہ صرف اسلامیات کی کتاب میں ورنہ دیگر مضامین میں قرآنی آیات اور تاریخ اسلام کے واقعات کا تذکرہ پاکستان کی اصل شناخت کو مسخ کرنے اور قومی مقاصد سے 'مکارانہ انحراف' قرار پائے گا۔''۵

اس رپورٹ کے مصنفین کی بدنیتی ان صفحات سے اور سفارشات سے عیاں ہیں جس میں آئین پاکستان کی پہلی دو نکات کی اس صراحت ''ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہوگا اور نیز اسلام ریاست کا غالب نظام حیات ہوگا'' کے علی الرغم پاکستان کو بہت سے مذاہب اور کئی علاقائی اور نسلی گروہوں کا وطن قرار دے کر ایک سیکولر ملک ثابت کرنے کی جاہلانہ کوشش کی گئی ہے۔ آگے چل کر مصنفین اپنے خبث باطن کا اظہار کرتے ہوئے موریا اور گپتا کی قدیم ہندو اور بت پرست سلطنتوں کی تاریخ کو بھی شامل نصاب کرنے اور اپنی تاریخ کی حیثیت سے پیش کرنے پر زور دیتے ہیں۔ ان مکروہ عزائم کو بروئے کار لانے کے لیے وفاقی وزارت تعلیم کا نصابی ادارہ اور صوبائی حکومتوں کا ٹیکسٹ بک بورڈ ختم کرنے اور ان جیسے نام نہاد آزاد ماہرین تعلیم پر مشتمل قومی تعلیمی بورڈ قائم کر کے تعلیم کی تمام زمام کاران کے ہاتھ میں دینے کی سفارش کی گئی ہے۔

یوں تو یہ تمام باتیں اور سفارشات انہی چند بے دین اور مغرب زدہ افراد کی گمراہ ذہنیت کی آئینہ دار ہیں جو ہمیشہ سے پاکستان کو لادین مملکت ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ کوئی زیادہ قابل تشویش بات نہیں ہے لیکن جو چیز پوری قوم کو چونکا دینے کا باعث ہے وہ اس رپورٹ کے لیے اعلیٰ حکومتی حلقوں میں غیر معمولی اظہار پسندیدگی اور اس کے نفاذ کے لیے اس حد تک مستعدی ہے کہ ٹیکسٹ بک بورڈ کی نئی کتب مارکیٹ میں لانے سے روک دیا

۴۔ ابوالاعلیٰ مودودیؒ، نظریہ تعلیم اور اسلام'' ص ۸

۵۔ ابوالاعلیٰ مودودیؒ، نظریہ تعلیم اور اسلام'' ص ۸

گیا اور اس رپورٹ کی روشنی میں نئی کتب کے لیے تجاویز مرتب کرنے کی خاطر ایک کمیٹی بھی قائم کر دی گئی۔[۶]

اس میں کوئی شک نہیں کہ وقت کے بدلتے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔ فی زمانہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے بہت سے نئے علوم پیدا کر دیے ہیں اور پرانے علوم کو نئے زاویے دیے ہیں۔ یہ وقت کا تسلسل ہے جو آگے ہی آگے لے جانے والوں کا ساتھ دیتا ہے اور اس سے الگ ہو جانے کے لیے الٹا پہیہ گھومنے کی نوبت آتی ہے اس حقیقت کو ہر کوئی تسلیم کرتا ہے۔

اسی کے تحت یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ نصاب تعلیم کو ان تبدیلیوں سے ہم آہنگ ہونا چاہیے اس کی مخالفت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن اس پہلو کو نظر انداز کرنا بھی درست نہیں ہے کہ ان علوم کی تعبیر کس طرح کی جائے کہ یہ دینی تقاضوں کی نفی کا راستہ نہ بن جائے، مثال کے طور پر سائنس محسوسات کی دنیا ہے، جسے آپ چھو سکتے ہیں دیکھ سکتے ہیں، ذائقہ معلوم کر سکتے ہیں، غرض یہ کہ جو چیز حسیات کی دنیا میں محسوس ہو سکے اسے سائنس مانتی ہے مگر وہ خدا کو نہیں مانتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سائنس طبیعات کی پیداوار ہے اور مابعد الطبیعات کو تسلیم نہیں کرتی۔ وہ انسانی جسم میں کیمیائی اور نامیاتی تعاملات تسلیم کرتی ہے لیکن ان کے خالق سے انکاری ہے۔ وہ عقل کو الگ معنی دیتی ہے اس لیے ایسے علوم جن سے تہذیب کی شناخت ملتی ہے، تمدن کی پہچان ہوتی ہے، جو ہمارے طرز زندگی میں رچی بسی لہر کو آگے لاتی ہیں ایسے علوم کو قومیں ضائع نہیں کرتیں۔ ہمارے شعور سے زیادہ ہمارے مفادات کا تقاضا ہے جو خارجی دنیا کے تقاضوں کا خلاصہ ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ قومی نصاب تعلیم کے راہنما اصولوں کو نہ چھیڑا جائے اور ان کو برائے نام رکھنے کی راہ بھی اختیار نہ کی جائے۔ ایک عملی صورت یہ ہوگی کہ ہم کسی بھی تبدیلی سے قبل زندگی کے جملہ شعبہ جات کے ماہرین اور بالخصوص ماہرین تعلیم کو ایک ایسی سرگرمی میں مصروف کریں جو تحقیق و جستجو اور اپنے تجربے اور علم کے ساتھ ساتھ ہر طبقہ زندگی سے افراد سے گفت وشنید اور تجزیہ وتنقید کے ساتھ اکتساب فیض کرے۔ پوری قوم کو اس عمل میں شریک کیا جائے۔ بڑے تعلیمی اداروں میں قومی و بین الاقوامی کانفرنسوں کا انعقاد کیا جائے۔ راہنما اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے کتب کی تیاری کے مراحل طے کیے جائیں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ایک حکمران ایک مدت یا دو مدتوں تک حکمران رہے گا، لیکن اس نصاب کے اثرات صدیوں تک رہیں گے۔ محض نعروں کے حوالے سب کچھ نہ کر دیا جائے اور نہ ہی ایڈ ہاک ازم کے مقتل میں نصاب کو قربان کیا جائے۔ بیرونی آقاؤں اور قوتوں کے مذبح خانوں میں تہذیب کے قتل کا اعلان کرنے سے پہلے یہ سوچ لیا جائے کہ ایسا کرنے والے خود بھی اس کے منفی اثرات سے بچ نہیں سکیں گے اور قوم کا مستقبل تباہ کرنے کے بھی ذمہ دار ہوں گے۔[۷]

مغربی تہذیب کے مسلمانوں کو لگائے گئے زخم

مغربی تعلیم کے ذریعے مسلمانوں کے فکر ونظر کے زاویے بدل کر ہمیں بے حد نقصان پہنچایا گیا۔ غیر ملکی استعمار نے مسلمانوں سے کیا لیا اور ان کو کیا دیا؟ یہ سوال بڑا دردناک ہے۔

۶۔ اداریہ ''امریکی دباؤ نصاب سے پرانی آیات کے اخراج کی سازش'' ص: ۳۔ ماہنامہ نظامت اپریل ۲۰۰۴

۷۔ اداریہ ''امریکی دباؤ نصاب سے پرانی آیات کے اخراج کی سازش'' ص: ۳۔ ماہنامہ نظامت اپریل ۲۰۰۴

۱۔ مسلمانوں کو بے شمار چھوٹے بڑے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ان کی پالیسی ہی یہ تھی Devide and Rule (ان کو ٹکڑوں میں بانٹ کر حکومت کرو) عرب ملکوں کو، عرب لیگ دے کر مسلم ممالک سے الگ کر کے 22 حصوں میں بانٹ دیا اور اب ہر حصہ اپنے اپنے مفادات کا اسیر ہے۔ اس وقت عالم اسلام تقریباً چھوٹے بڑے ساٹھ ملکوں پر مشتمل ہے جبکہ پہلے پورا عالم اسلام ایک وحدت کہلاتا تھا۔ اس وقت عیسائیوں کے لیے دنیا میں مرکز موجود ہے۔ یہودیوں کے لیے ایک فورم موجود ہے جبکہ اہل ایمان کے لیے اس کا کوئی مرکز نہیں ہے جو مسلمانوں کو پیش آنے والے مسائل پر آواز اٹھا سکے۔ اسلامی کانفرنس تنظیم (O.I.C) اس وقت اتنا بے وقعت ادارہ ہے کہ افغانستان اور عراق پر امریکی حملے کے موقع پر جنگ میں اس نے اپنی بے وقعتی پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

۲۔ مسلم دنیا میں نام نہاد جمہوریت کا مقصد غالباً یہ ہے کہ نوابوں، جاگیرداروں، بلیک مارکیٹ اور لوٹ مار کرنے والوں کو برسر اقتدار لایا جائے۔ چنانچہ تمام مسلم ممالک پر اپنے پٹھوؤں کو یعنی مغربی تعلیم یافتہ افراد کو حکمران بنایا گیا جو مغرب کے بے حد وفادار اور انہی اہل مغرب کے عزائم کو پورا کرنے والے ہیں۔ وہ اپنے مغربی آقاؤں کے سامنے تو بہت فرمانبردار ہیں جبکہ عوام کے لیے جابر اور آمر بنے ہوئے ہیں، خصوصاً دینی قوتوں کو ہر وقت آہنی ہاتھوں سے کچلنے کی کارروائیاں کرتے رہتے ہیں۔

۳۔ مسلمانوں سے جہاد چھینا گیا، اس غرض کے لیے اپنے وفادار غلام احمد قادیانی کو کھڑا کر دیا گیا۔ اس نے نبوت کا سوانگ رچایا اور انگریزوں کی غلامی قبول کرتے ہوئے جہاد کو موقوف کرنے کا اعلان کیا۔ اس کے ذریعے مسلمانوں میں انتشار پیدا کیا گیا۔ مجاہدین کو وہابی، بنیاد پرست، دہشت گرد وغیرہ جیسے نام دیے گئے چند سال قبل قاہرہ میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں اسلامی ملک مصر کے دارالحکومت میں خود پاکستانی حکومت نے اسلامی دہشت گردی سے نپٹنے کے لیے لائحہ عمل طے کیا۔ اب خود پاکستانی حکومت دہشت گردی کے خلاف امریکہ کی جنگ میں فرنٹ لائن اسٹیٹ کا کردار ادا کر رہی ہے۔ اسے مجاہدین کی سرگرمیاں تو دہشت گردی نظر آتی ہیں مگر فلسطین، کشمیر، افغانستان، بوسینا، چیچنیا اور عراق میں سربوں، یہودیوں روسیوں، ہندوؤں اور امریکیوں کے مظالم نظر نہیں آتے نہ یہاں کی مسلم ماؤں بہنوں کی دلدوز چیخ و پکار سنائی دیتی ہے۔

۴۔ اقوام متحدہ کے ذریعے یہودیوں اور عیسائیوں کو ہم پر تسلط جمانے کا خوب موقع ملا۔ بڑے سے بڑا ملک امریکہ کے آگے ہاتھ باندھے کھڑا نظر آتا ہے اور ان کا دست نگر اور غلام بن چکا ہے۔ پھر اس اقوام متحدہ کی آڑ میں ہمیں بے پناہ مالی، صحافتی، تعلیمی، تہذیبی غرض ہر محاذ پر زبردست نقصان پہنچایا گیا۔ ہر جگہ مسلمانوں پر اغیار کے ظلم وستم کا بازار گرم ہے مگر UNO کے قوانین کی رو سے کوئی مسلمان ملک متاثرہ ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتا۔

۵۔ تمام ذرائع ابلاغ پر یہود، ہنود اور عیسائیوں کا کنٹرول ہے۔ مسلم ممالک کے تمام مالی وسائل پر ان کو دسترس حاصل ہو چکی ہے۔ ورلڈ بینک، آئی ایم ایف کے ذریعے ہمارے معاملات کنٹرول کیے جا رہے ہیں۔ [۸]

۸۔ اداریہ ایشیاء: پھر نصاب تعلیم کی بحث، ص: ۷ شمارہ ۴۹ - یکم دسمبر تا ۷ دسمبر ۲۰۰۵ ۔

برلن کانفرنس کا اعلامیہ

1999ء میں برلن کانفرنس منعقد کی گئی اس کا موضوع تھا: مغربی معاشروں کے تعلقات، اس کانفرنس میں ایک اعلامیہ جاری کیا گیا جس کا مقصد تھا۔

1. Global Wholesome
2. Global Unity
3. Global Mutuality

اس اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ ہمیں پرائمری اور سیکنڈری سطح پر ایسی تعلیم دینا ہوگی جو آسٹریلیا کے شہر سڈنی سے لے کر امریکہ کے شہر ہوائی تک ایک طرح ہیروز، ایک طرح کی اقدار اور ایک جیسی سوچ کو جنم دے اس کام کے لیے مغربی عطیات پر چلنے والی این جی اوز کو سامنے لایا جائے گا۔ چنانچہ مختلف بین الاقوامی ایجنسیوں نے اس غرض کے لیے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیے چالیس سے زیادہ سفارت خانوں نے اپنے سفارت خانے میں ایک ایک سیل قائم کیا جو ان این جی اوز کو امداد دینے لگا اس کے لیے چند یکساں مصنوعات کو نصاب کا موضوع بنایا گیا یعنی انسانی حقوق، حقوق نسواں، بچوں کے حقوق، عورتوں پر تشدد، کراس روڈ، جمہوریت اور روشن خیال اور اعتدال پسندی، جیسے نعرے دیے گئے۔''اس طرح پاکستان کا مسلم معاشرہ جسے 1400 سال قبل انسانی حقوق کا اسلام کی طرف سے حجۃ الوداع والا شاندار چارٹرمل چکا تھا وہ کالعدم ہوا۔ اب اسے 1995ء کی بیجنگ کانفرنس نے حقوق نسواں دیے۔ چلڈرن رائٹس کمیشن (CRC) نے بچوں کے حقوق دیے ایمنسٹی انٹرنیشنل نے پہلی بار انسانوں کو انسان سمجھا اور یہ سب کچھ اس فورم کے نصاب میں سمو دیا گیا جو 1400 سال پہلے اللہ و رسول کا یہ پیغام سنتی اور اس پر عمل کرتی چلی آ رہی تھی:

> ''اے مسلمانو! تم پر کسی انسان کی جان، عزت و آبرو آج یعنی (دس ذی الحج) کے دن اور مہینے اور مقام سے زیادہ مقدس و محترم ہیں تم میں کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔''[۹]

اس طرح سے ہماری اور تہذیب کی اساس پر تیشہ چلایا گیا اور ہمیں اپنی بنیادوں پر قائم ہونے سے ہٹا کر مغربی تہذیب کی طرف گامزن کر دیا گیا۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

> ''ہر تہذیب کی طرح اس (اسلامی) تہذیب کی بقاء اور فروغ کا انحصار بھی دو چیزوں پر ہے۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کا نظام تعلیم ایسا ہو، جو ان کے دل و دماغ میں اسلام کے طریق فکر اور مقصد حیات کو صحیح طور پر پیوست کر دے اور ان کو اس قابل بنائے کہ وہ مسلمانوں کی حیثیت دیکھیں، مسلمانوں کی حیثیت کو سوچیں اور اسلام کے بتائے ہوئے معیار کے مطابق زندگی کے دوراہے پر ایک راستے کا انتخاب

۹۔ بحوالہ خطبۃ حجۃ الوداع، اوریا مقبول جان۔ تعلیم کے نام پر بربادی کا کھیل، ص۲۳۔ مجلّہ شعاع فکر ۲۰۰۴

کریں۔ دوسرا یہ کہ نظام تہذیب اپنی صحیح صورت میں عملاً قائم ہوا، اجتماعی زندگی میں اس کے اصولوں پر زندگی بسر کریں، اگرچہ ان کے بعض افراد کو علمی حیثیت کی حفاظت نہیں کرسکتی۔'' [۱۰]

گویا اسلامی اقدار اور اسلامی کلچر کے فروغ کی ابتدا نظام تعلیم کو اسلامی بنیادوں پر مستحکم کرنے سے ہی ممکن ہے۔ حقیقت میں تو مسلمانوں کی اصل تعلیم قرآن وسنت اور اس سے متعلقہ علوم ہیں اور اسی بات کو مولانا مودودیؒ ''تنقیحات میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

''مسلمانوں کے مستقل قومی وجود اور ان کی تہذیب کے زندہ رہنے کی اب کوئی صورت بجز اس کے نہیں ہے کہ ان کے طرز تعلیم و تربیت میں انقلاب پیدا کیا جائے اور وہ انقلاب ان خطوط پر ہو جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیے ہیں۔ میں اس سے بے خبر نہیں ہوں کہ ایک بڑی جماعت ایسے لوگوں کی موجود ہے، اور خود علی گڑھ میں ان کی کمی نہیں، جو میرے خیالات کو ایک دیوانے کا خواب کہیں گے۔ اگر ایسا ہو تو مجھے کوئی تعجب نہ ہوگا۔ پیچھے دیکھنے والوں نے آگے دیکھنے والوں کو اکثر دیوانہ ہی سمجھا ہے اور ایسا سمجھنے میں وہ حق بجانب ہیں۔ لیکن جو کچھ میں آج دیکھ رہا ہوں، چند سال بعد شاید یہ میری زندگی ہی میں وہ اس کو بچشم سر دیکھیں گے اور ان کو اس وقت اصلاح حال کی ضرورت محسوس ہوگی جب طوفان سر پر ہوگا اور تلافی مافات کے مواقع کم تر رہ جائیں گے۔'' [۱۱]

نظام تعلیم میں مدرسے کا کردار

نظام تعلیم کو فروغ دینے کے لیے سب سے زیادہ ضرورت تعلیمی اداروں کی ہوتی ہے۔

تعلیمی ادارہ ایک آبشار کی طرح ہے جس سے معاشرہ ایک دریا کی طرح سے رواں ہے۔ مدرسے سے تازہ پانی معاشرے کی دریا میں ہر آن شامل ہوتا رہتا ہے جو اسے تر و تازہ رکھتا ہے۔ مدرسہ ایک آبشار ہی نہیں دریا کے دو کنارے بھی ہیں جو دریا کو اپنی حدود کے اندر بہے گا تو وہ اپنی طاقت کو قائم رکھے گا۔ دریا کی حدود اس کے کنارے ہیں اور معاشرے کی حدود اس کے نظریہ حیات۔ دریا کے کناروں سے باہر بہنے والا پانی اپنی سمت اور قوت دونوں کھو دیتا ہے۔ اسی طرح اپنے نظریہ حیات سے باہر نکلنے والا فرد اور معاشرہ بکھر جاتا ہے۔

جس طرح پہلے دن ماں کے دودھ سے بچے کی جسمانی نشوونما کا آغاز ہو جاتا ہے اسی طرح بچے کے کان میں اذان دینے سے روح کی غذا کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اللہ اکبر کہنے سے تصور حیات (Concepts) دینے کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ کان میں اذان دینے سے بچے کا مسلم معاشرے میں ایڈمشن ہو جاتا ہے۔ تصورات کے دریا کو اذان کے کوزے میں بند کیا گیا ہے۔

طارق سہیل مرزا مدرسے کی تعریف اس طرح سے بیان کرتے ہیں:

''مدرسہ بذات خود ایک نہایت اہم اور حساس ادارہ ہے۔ تمام اہل الرائے کا اس بات پر کلی اتفاق ہے

۱۰۔ ماہنامہ افکار معلم، ص ۱، دسمبر ۲۰۰۴
۱۱۔ مودودیؒ ابوالاعلیٰ ''تنقیحات، ص ۲۳۹

کہ قوموں کے عروج و زوال کی داستان ان کے تعلیمی اداروں اور درس گاہوں میں ہی لکھی جاتی ہے۔ تعلیمی ادارہ معاشرے کا دل ہوتا ہے۔ یہ درست ہو گا تو تمام شعبہ ہائے حیات درست ہوں گے اور اس کے خراب ہونے سے پورا نظام فساد اور خرابی کا شکار ہو جاتا ہے۔ تعلیمی ادارے کا بیج، معاشرے کا کل ہے۔ مدرسہ ایک قدر افزا ادارہ (Value added institution) ہے جو فرد کی افادیت بڑھا کر اسے معاشرے کے لیے زیادہ موثر بناتا ہے۔ صنعتی اداروں کی ریسرچ سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ صرف پرائمری تعلیم لیبر کی کارکردگی کو 20 فیصد بڑھا دیتی ہے۔ نظریات انسان کو متحرک رکھتے ہیں اسے قوت فکر وعمل دیتے ہیں۔'' [۱۲]

مغرب کی تمام عمارتوں میں اور ان مہارتوں کے اطلاق اور استعمال میں اس کے بنیادی تصورات رچے بسے ہیں۔ ہم اپنے تصورات کو عمارتوں کے اندرون تک نہیں پہنچا سکے۔ یہ ہماری بنیادی کمزوری ہے۔ اس وقت ہمارا معاشرہ مغرب کے ان دونوں ہتھیاروں کا بیک وقت شکار ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ان کے تصورات بودے ہیں، ناقص ہیں بلکہ غلط ہیں لیکن کیا چیز ہے جو ان خلاف فطرت تصورات کو اتنا مضبوط بنا رہی ہے کہ وہ پورے کے پورے معاشرے تسخیر کر رہے ہیں۔ دراصل مہارتیں وسائل مہیا کرتی ہیں، مہارتیں قوت دیتی ہیں بلکہ مہارتیں بذات خود قوت ہیں۔ انہوں نے اپنے تصورات حیات کی کمزوری کو اپنی مہارتوں کی برتری سے پورا کر دیا ہے۔ ان دونوں قوتوں کا مجموعہ ہے مغربی تہذیب، مغربی معاشرہ اور یقیناً مغرب کا تعلیمی ادارہ۔

اب مغرب کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ چونکہ ہم ترقی یافتہ ہیں، اس لیے ہمارا تصور حیات ہی سب سے اعلیٰ ہے۔ جب کہ ہم ان کی مہارتوں سے مرعوب ہو کر ان کے غلط تصور حیات کو اپناتے ہیں۔ آج ہم ان کی مہارتوں کو زیرو کر دیں یا ان سے بہتر مہارت لے آئیں یا موجودہ مہارتوں میں اپنا تصور حیات سمو دیں (ہماری بقا اسی میں ہے کہ یہ کام جلد از جلد ہو، اس تہذیب کی زندگی اس وقت تک ہے جب تک مہارتیں ان کے غلط نظریات کا بوجھ اٹھائے رکھیں گی جونہی یہ بوجھ ان کی مہارتوں کی استعداد سے بڑھا، یہ تہذیب زمین پر آ گرے گی، اب یہ وقت زیادہ دور نہیں) پھر دیکھیں گے ان کے تصور حیات میں کتنا دم خم ہے۔ خود ان کے بڑے بڑے چیمپئن اپنے نظریہ حیات کو چھوڑ دیں گے۔ مدرسہ معاشرے کے اصل دھارے کی تشکیل کرتا ہے۔ اس لیے مقدار اور معیار کی ضرورت ہے۔ مدرسہ ایک مکمل معاشرہ کا ایک چھوٹا سا نمونہ اور اس کا حقیقی آئینہ ہوتا ہے۔ کسی معاشرے کا مستقبل دیکھنا ہو تو اس کے مدرسے کا حال دیکھئے۔

نظام تعلیم اور قومی مفادات

مدرسہ تین طرح کے افراد مہیا کرتا ہے:

(۱) کارکن یا عام لوگ

(۲) پالیسیاں بنانے والے

۱۲۔ طارق سہیل مرزا ''تعلیمی ادارے کا کردار، ص ۵۸، ترجمان القرآن نومبر ۱۹۹۶

(۳) پالیساں نافذ کرنے والے

واشنگٹن ٹائمز کے مطابق اس وقت تقریبا ۳ لاکھ پاکستانی امریکہ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں سے جب کچھ لوگ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اپنے معاشرے کو لوٹتے ہیں تو وہ بیرونی تعلیمی ادارے کی سوچ اور مہارت اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ وہ تعلیمی ادارہ انہیں اہداف دیتا ہے۔ ان کی ترجیحات کا تعین کر کے بھیجتا ہے۔ جس تعلیمی ادارے سے وہ آتے ہیں اس کی ساکھ کے باعث وہ معاشرے میں پالیسیاں بنانے والے پالیسیاں نافذ کرنیوالے کے طور پر کیریئر کا آغاز کرتے ہیں۔ اس طرح بیرونی مدرسہ اپنے معاشرے سے نکل کر ہمارے معاشرے میں قوت نافذہ حاصل کر لیتا ہے۔ انگریزوں نے ہمارے معاشروں کو قابو کرنے کے لیے اپنے قائم کردہ تعلیمی اداروں کے ذریعے ہی حکمران طبقہ پیدا کیا۔ ان کو ایک بڑی سہولت یہ حاصل تھی کہ سیاسی اقتدار ان کے پاس تھا۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے طے کیا کہ دنیاوی مناصب وعہدے صرف انہی کے لیے ہیں جو ان کے تعلیمی اداروں سے ہو کر آئیں گے۔

اسی طرح انہوں نے گلی محلے کے کارکن اور کلرک سے لے کر ایوان حکومت کے بیوروکریٹس تک کا دائرہ بڑی جلدی مکمل کر لیا اور یہ دائرہ آج بھی قائم و دائم ہے۔ ہمارا تعلیمی ادارہ اس دائرے کو توڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکا، اس لیے کہ حکمران قوت اس کے ساتھ نہیں۔ یہ قوت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے تعلیمی ادارے کا ہدف استاد، طالب علم، والدین یا معاشرہ اور حکومت کے دائرے کو مکمل کرنا ہو۔ پھر تعلیمی ادارے کی ساکھ کے ذریعے اس کی کمان تعلیمی ادارے کے ہاتھ میں ہو گی۔ تب ہمارا تعلیمی ادارہ اپنے تصورات کے مطابق معاشرے کی تعمیر کر سکے گا۔ لیکن اگر یہ پالیسیاں نافذ کرنے والے مغربی مدرسوں سے مہارتیں لے کر آئیں اور صرف کارکن ہمارے تعلیمی اداروں کے ہوں تو معاشرے کی تعمیر و تشکیل بیرونی مدرسہ ہی کرے گا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے جب بنگال پر قبضہ کیا تو اس وقت وہاں اسی ہزار مدرسے تھے۔ اسی ہزار مدرسوں کے ہوتے ہوئے بھی ایک قوم غلام ہو سکتی ہے؟ تاریخ میں ایسا ہو چکا ہے، وہ مدرسے آخر تصورات تو دے رہے تھے، وہ برسرکار تو تھے، پھر کیا کمی تھی جو اسی ہزار تعلیمی ادارے ہزاروں میل دور کے تعلیمی ادارے کے غلام ہو گئے۔

تعلیمی دائرہ اور اس کا اصل کام

مدرسے کا بڑا کام اس دائرے کو مکمل کرنا ہے۔ یعنی استاد، طلبہ، والدین یا معاشرہ اور ایوان حکومت ایک ہوں۔ ان کے تصورات ایک ہوں اور ان کے آگے لے جانے والی قوت ایک ہو، ان کو جوڑنے والی قوت ایک ہو، ان کے مفادات ایک ہوں، ان کے جذبات ومحرکات کا سرچشمہ ایک ہو، ان کے احساسات ایک ہوں۔ آخر کونسا ادارہ یہ کام کرے گا۔ یہ کوئی نیا کام نہیں۔ یہ کام چودہ سو سال پہلے ہو چکا ہے۔ عالم اسلام کی پہلی یونیورسٹی صفہ اصحاب صفہؓ نے اپنے معلم اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکردگی میں یہ کام کر کے دنیا کو دکھا دیا تھا۔ معاشرے کی تعمیر و ترقی میں مدرسے کا ایک انتہائی اہم کردار یہ ہے کہ وہ اپنے طلبہ میں حساسیت پیدا کرے۔ جو تدریسی عمل اپنے متعلم میں یہ روح پیدا نہیں کرتا وہ عمل خام ہے۔ یعنی جہاں تصورات حیات کے خلاف معاشرے میں کوئی انفرادی یا اجتماعی حرکت ہو، متعلم اسے محسوس کریں اور نہ صرف محسوس کریں بلکہ وہ اس وقت جہاں ہوں، کوئی سی بھی سماجی پوزیشن وہ رکھتے ہوں، اسے روکنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

''تصریحات'' میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

''بعض لوگوں کے نزدیک تعلیم کا مقصد صرف علم حاصل کرنا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو بالکل غیر جانبدارانہ تعلیم دی جانی چاہیے تاکہ وہ زندگی کے مسائل، معاملات اور حقائق کا بالکل معروضی مطالعہ کریں اور آزادانہ نتائج اخذ کر سکیں۔ لیکن یہ کہتا ہوں کہ اس طرح کا معروضی مطالعہ صرف کیمرے کیا کرتے ہیں، انسان نہیں کر سکتے۔ انسان ان آنکھوں کے پیچھے ایک دماغ بھی رکھتا ہے جو بہرحال اپنا نقطہ نظر بھی رکھتا ہے وہ مسائل، معاملات اور حقائق کے متعلق سوچنے کا ایک طرز اور فکر رکھتا ہے اور اسی فکر پر وہ نظام زندگی قائم ہوتا ہے جسے ہم کلچر کہتے ہیں اور ایک قوم کے لیے جس کے اپنے کچھ عقائد ہوتے ہیں، اپنا نظریہ زندگی ہو، اپنے اصول ہوں، لازم ہے کہ وہ اپنی آنے والی نسلوں کو اس غرض کے لیے تیار کرے کہ وہ اپنے کلچر کو زندہ رکھیں اور آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔''[۱۳]

مولانا مودودیؒ کے تحریر کردہ ان الفاظ کی روشنی میں ہم واضح طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ معروضی طرز کی تعلیم محض مغربی نظام تعلیم کا حصہ ہے اور ایسا نظام تعلیم جس کے افکار وعقائد ایسے نظریات پر مبنی ہو جو زندگی کے تمام معاملات اور مسائل کے لیے طرز فکر فراہم کرتا ہو اور ایسے کلچر کو فروغ دے سکیں جس کی نسلیں زندہ رکھیں اور آگے بڑھائیں۔ ان دونوں طرح کے نظام تعلیم میں بہت فرق ہے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ مسلمان اپنے اسلامی کلچر کے برعکس ایک ایسا نظام تعلیم اپنا رہے ہیں جو حقیقت میں معروضی طرز مطالعہ پر مبنی ہے۔

علامہ محمد اسد (عظیم مسلم سکالر) اپنی انگریزی تصنیف ''اسلام ایٹ دی کراس روڈ'' میں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''وہ مغربی سماجی اقدار کی اندھی تقلید نہ کریں اور اس کے بجائے اپنے اسلامی ورثہ کو محفوظ کرنے کی کوشش کریں جس نے کسی زمانے میں کثیر الجہتی اور تاریخی طور پر شاندار مسلم تہذیب کو جنم دیا تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو مغربی تہذیب کی نقالی سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ مسلم تہذیب اور مغربی تہذیب میں کوئی روحانی مطابقت نہیں۔''[۱۴]

مغربی خطوط پر مسلم نوجوانوں کی تعلیم جو مغرب کے ثقافتی تجربات اور اقدار پر مبنی ہے ان کے لیے نہایت ہلاکت خیز ہے۔ اس کے نتیجے میں ان کے دینی عقائد رفتہ رفتہ کمزور پڑتے جا رہے ہیں۔ زوال کی موجودہ صورت حال میں بہت سے مسلمان گھرانوں کا مذہبی ماحول اور عقلی معیار بہت پست ہو گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ نوجوان مذہب کو پس پشت ڈال دیں یا وہ اپنی زندگی میں مذہب مخالف رویہ اختیار کر لیں۔ علامہؒ نے انتباہ کیا ہے کہ ''مسلمانوں کو مغرب سے صرف سائنسی علوم سیکھنے پر اکتفا کرنا چاہئے لیکن ان کا فلسفہ مسترد کر دینا چاہئے۔ نیز تعلیمی اداروں میں، یورپی فلسفہ، ادب اور تاریخ کو اولیت نہ دی جائے کیونکہ اس سے فطری طور پر نوجوانوں کے کچے ذہنوں میں ان کے منفی پہلو جانے بغیر مغربی

۱۳۔ ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تصریحات، ص۲۴

۱۴۔ علامہ محمد اسد، ملت اسلامیہ دوراہے پر، ص ۷

تہذیب کی روح پیدا ہو جاتی ہے جو اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ ۱۵

مسلم معاشرے کی حالت

یہ صورت حال کس قدر المناک اور تکلیف دہ ہے کہ علامہ محمد اسدؒ نے پون صدی پہلے جن خدشات کا ظہور کیا تھا وہ اب خوفناک اور مجسم شکل میں سامنے آ رہے ہیں۔ آج عالم اسلام میں مغربی تعلیم کے فروغ کے باعث نوجوان نسل اپنی شناخت کے بحران سے دوچار ہے۔

''مغربی تہذیب اپنے تمام تر شیطانی ذرائع سے اس پر حملہ آور ہو چکی ہے اور اسلامی معاشرے کے ستون ایک ایک کر کے کمزور پڑتے جا رہے ہیں۔'' ۱۶

مولانا مودودیؒ نے بہت پہلے اس صورت حال کا رونا روتے ہوئے لکھا تھا:

''جدید تعلیم و تہذیب کے مزاج اور اس کی طبیعت پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اسلام کے مزاج اور اس کی طبیعت کے بالکل منافی ہے۔ اگر ہم ہمیشہ اسے لے کر اپنی نوخیزی نسلوں میں پھیلائیں گے تو ان کو ہمیشہ کے لیے کھو دیں گے۔ آپ ان کو فلسفہ پڑھاتے ہیں جو کائنات کے مسئلے کو خدا کے بغیر حل کرنا چاہتا ہے، آپ ان کو وہ سائنس پڑھاتے ہیں جو معقولات سے منحرف اور محسوسات کی غلام ہے، آپ ان کو تاریخ، سیاسیات، معاشیات، قانون اور تمام علوم عمرانیات کی وہ تعلیم دیتے ہیں جو اپنے اصول سے لے کر فروغ تک اور نظریات سے لے کر عملیات تک اسلام کے نظریات وعمران سے یکسر مختلف ہے۔ آپ ان کی تربیت تمام تر ایسی تہذیب کے زیر اثر کر رہے ہیں جو اپنی روح اور اپنے مقاصد و مناہج کے اعتبار سے کلیۃ اسلامی تہذیب کی ضد واقع ہوئی ہے۔ اس کے بعد کس بنا پر آپ یہ امید رکھتے ہیں کہ ان کی نظر اسلامی نظر ہو گی؟ ان کی نظر اسلامی نظر ہو گی؟ ان کی سیرت اسلامی سیرت ہو گی؟ ان کی زندگی اسلامی زندگی ہو گی؟۔ ۱۷

قدیم طرز پر قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم کے ساتھ بے جوڑ ہے اس قسم کے تعلیمی عمل سے کوئی خوشگوار پھل حاصل نہ ہو گا۔ اس کی ایسی ہے جیسے فرنگی سٹیمر میں پرانے بادبان محض نمائش کے لیے لگا دیے جائیں مگر ان بادبانوں سے فرنگی سٹیمر قیامت تک اسلامی سٹیمر نہ بنے گا۔''

مسلمان معاشرے اس وقت جس تہذیبی چیلنج کا سامنا کر رہے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ متشدد کفر (Militant Kufr) نے ہمہ پہلو یلغار کر رکھی ہے۔ تہذیبی تصادم (Clash of Civilizations) کا تصور تو مغرب کو بھرپور حملے پر اُکسانے کا حربہ تھا۔ اسلامی تہذیب اصولی وفکری طور پر مضبوط اور روحانی واخلاقی اعتبار سے مستحکم ہے لیکن مادی وعسکری اور سائنسی ومعاشی لحاظ سے کمزور ہے، اس لیے یہ تصادم نہیں بلکہ جارحانہ اقدام (Preemptive Action) ہے۔ مسلمانوں

۱۵۔ علامہ محمد اسد، ملت اسلامیہ دوراہے پر، ص ۷ ۱۶۔ ایضاً، ص ۸

۱۷۔ ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تعلیمات، ص ۲۰-۱۹

کی اصل قوت ان کا عقیدہ اور اخلاقی طاقت ہے۔ اسے مستحکم رکھ کر مادی و سائنسی اور عسکری و دفاعی میدانوں میں برتری حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس تہذیبی حملے کا ادراک اور اس کا دفاع اصل مسئلہ ہے۔ لیکن اس ادراک کے لیے تعلیمی شعور کی ضرورت ہے جس کا حصول اسی وقت ممکن ہے جب ہماری درس گاہیں اور ہمارے ذرائع ابلاغ اس کارخیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ بدقسمتی سے یہ دونوں میدان مخالف اسلام طاقتوں کے قبضے میں ہیں اور وہ اسے مغرب زدگی اور اسلام بیزاری کے لیے کامیابی سے استعمال کر رہے ہیں۔

تعلیم اور جدید تہذیبی چیلنج

تعلیم حیات انسانی کا وہ تجربہ ہے جس پر اس کے وجود اور بقا کا انحصار ہے۔ تعلیم ہی وہ عمل ہے جو حیات انسانی کے قافلے کو رواں دواں رکھے ہوئے ہے۔

> ”تعلیم ہی کے ذریعے سے ایک نسل کے تجربات دوسری نسل تک پہنچتے ہیں اور تعلیم ہی وہ اثاثہ ہے جس پر حیات انسانی کی عمارت قائم ہے۔ اگر غور کریں تو تعلیم ایک Process ہے جس کے ذریعے سے ابلاغ علم ہوتا ہے۔ اس نظر سے دیکھا جائے تو واضح ہوگا کہ اصل چیز وہ ہے جس کا ابلاغ ہو رہا ہے۔
> ماہرین تعلیم نے بلاشبہ طرق ابلاغ اور مقاصد تعلیم پر دل نشین بحثیں کی ہیں جو نظام تعلیم کے سلسلے میں بے حد اہم ہیں۔“ [۱۸]

ہمارے منتظمین تعلیم نے نظام تعلیم کے استحکام، طلبہ کے نظم و ضبط، اساتذہ کی دلجمعی اور درس گاہوں کے ماحول کی سکون بخشی پر بہت غور و خوض کیا ہے۔ اس کی نوعیت متعین کرنے پر کسی تہذیب کا تعین ہوتا ہے اور اس کا تشخص قائم ہوتا ہے۔ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم تہذیبی چیلنج پر بات کرنے سے پہلے تعلیمی عمل کی نوعیت پر بات کر لیں تاکہ ہمیں چیلنج کا ادراک ہو سکے۔ علم کی نوعیت کے بارے میں اچھی بحث جس تک ہماری رسائی ہے وہ علامہ اقبالؒ کا وہ خطبہ ہے جس میں انہوں نے علم پر اسلام اور فلسفہ دونوں نقطہ ہائے نظر سے گفتگو کی ہے۔ اس میں کانٹ اور غزالی، معتزلہ اور اشاعرہ اور ابن رشدؒ وغیرہ کا تنقیدی جائزہ شامل ہے۔

علامہ محمد اسد لکھتے ہیں کہ اقبال علم کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ”علم عبارت ہے ادراک بالحس سے جس میں ہم اپنی عقل (یعنی فکر و استدلال اور تفصیلات و جزیات میں نظم و ترتیب) کی مدد سے اور زیادہ وسعت پیدا کر لیتے ہیں۔“ [۱۹]

اسلامی نقطۂ نظر سے علم کا تعلق حقیقت مطلقہ کے ادراک کے علاوہ عالم محسوسات کی معرفت اور انسانی ذات کی بصیرت سے بھی ہے۔ اس روشنی میں دیکھا جائے تو اسلام کے تہذیبی تجربے میں محسوسات کو مابعد الطبیعیات کے ساتھ رکھ کر دیکھا گیا۔ اقبال مسیحیت اور اسلام کے رویوں کے فرق کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

۱۸۔ ڈاکٹر خالد علوی ”تعلیم اور جدید تہذیبی چیلنج“ دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی ص: ۸

۱۹۔ علامہ محمد اسد، ملت اسلامیہ دوراہے پر، ص ۶۷

''ہمارے داخل کے حیاتیاتی اور خارج کے ریاضیاتی توازن کا نازک فرق ہے جس سے مسیحیت متاثر ہوئی لیکن جس سے اسلام نے منہ نہیں موڑا کیونکہ وہ اس پر غالب آنا چاہتا ہے۔ لہٰذا یہ ایک بنیادی نسبت کو ایک خاص نقطہ نظر سے دیکھنے کا اصولی فرق ہے جس کے ماتحت ان دو عظیم الشان مذاہب نے اس مسئلے میں کہ انسان کی پیدائش جس ماحول میں ہوئی اس میں اس کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے، الگ الگ روش اختیار کی۔ دونوں کا مطالبہ ہے کہ ہم اس روحانیت کا اثبات کریں جو ہماری ذات کے اندر موجود ہے۔ اختلاف ہے تو اتنا کہ اسلام نے عینی اور واقع یا حقیقت اور مجاز کے اتصال کا اعتراف کرتے ہوئے دنیائے مادیت کو رد نہیں بلکہ لبیک کہتے ہوئے اس کی تسخیر وتصرف کا راستہ دکھلایا تاکہ ہم اپنی زندگی کا نظم وانضباط واقعیت کی اساس پر کریں۔''[۲۰]

کسی بھی تہذیب کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے تمدنی مظاہر کی اساسیت متعین کرے کہ انہی اساسیات پر عملی نظام کا وہ سارا ڈھانچہ استوار ہوتا ہے جو فرد سے لے کر معاشرے تک اور خاندان سے لے کر ریاست تک کی ساری تفصیلات کی نمائندگی کرتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ یہ عالم جس میں ہم رہتے ہیں اس کی نوعیت کیا ہے اور ترکیب کیا ہے؟ کیا اس کی ساخت میں کوئی دوامی عنصر موجود ہے؟ ہمیں اس سے کیا تعلق ہے اور ہمارا اس میں کیا مقام ہے؟ باعتبار اس مقام کے ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے؟ یہ سوالات ہیں جو مذہب فلسفہ اور اعلیٰ شاعری میں مشترک ہیں لیکن شاعرانہ واردات سے جو علم حاصل ہوتا ہے، انفرادی ہوتا ہے۔ یعنی اس شخص سے مختص جس پر یہ واردات طاری ہوں۔

ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں:

''علم کی شان یہ تھی کہ کسی سے ایک لفظ سیکھا، یا محض راستہ ہی پوچھا تو وہ ساری زندگی احترام کے قابل ٹھہرا۔ اس کے سامنے آنکھ نہ اٹھ سکی مگر آج اس عمل کی بنیاد پر نہ استاد عظمت وتکریم لینا چاہتا ہے۔ نہ شاگرد دینے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ آخر کہیں تو نقص ہے، یہ بلاوجہ تو نہیں۔ یہ سارا کمپیوٹر کا قصور نہیں ہمارا ہے، علم دینے والوں کا اور علم لینے والوں کا، ہم علم کے تاجر بن چکے ہیں۔''[۲۱]

وہ تمثیلی ہوگا اور مبہم اور غیر طبعی۔ جبکہ مذہب کے مدارج عالیہ شاعری سے بلند تر ہیں وہ فرد سے جماعت کی طرف بڑھتا اور حقیقت مطلقہ کے بارے میں ایک ایسی روش اختیار کرتا ہے جو حدود انسانی سے ٹکراتی اور اس کے دعاوی کو وسعت دیتی ہے، وہ ہمیں توقع دلاتا ہے کہ ذات مطلق کا بلا واسطہ لقا ممکن ہے۔

مسلمان نوجوانوں کی تعلیم

مسلمان جب تک مغربی تہذیب کی طرف اس نظر سے دیکھتے رہیں گے کہ وہ واحد طاقت ہے جو ان کے جامد معاشرہ میں جان ڈال سکتی ہے تو وہ اپنی خود اعتمادی کو نقصان پہنچاتے رہیں گے اور بالواسطہ طور پر مغرب کے اس دعوے کی

۲۰۔ علامہ محمد اسد، ملت اسلامیہ دوراہے پر، ص ۶۷

۲۱۔ ''تعلیم اور جدید تہذیبی چیلنج'' دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ص ۷

تصدیق کرتے رہیں گے کہ اسلام چلا ہوا کارتوس ہے۔ اسلام اور مغربی تہذیب زندگی کے متعلق بالکل متضاد تصورات رکھتے ہیں اس لیے اپنی روح کے مطابق یہ دونوں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔[۲۲]

ہم سمجھتے تھے کہ لائیگی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ[۲۳]

آج کی تعلیم کے ثمرات

عقل مند انسان یہ دیکھتے ہوئے کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے اپنے اعزہ و اقارب، گرد و پیش بسنے والے سینکڑوں چلے گئے، جا رہے ہیں اور یہ جانتے ہوئے کہ خود اسے بھی بہرحال اس دنیا کے اہم ترین کاموں کو ادھورا چھوڑ کر چارو نا چار حقیقی گھر کی طرف کوچ کرنا ہی ہے، آخرت کی ضروریات سے غافل ہمہ وقت عارضی زندگی کی ضروریات کے لیے ہلکان ہوا جاتا ہے۔ فکر آخرت کسی گوشہ میں ہے بھی تو محض جز وقتی کام کی حیثیت سے، اس کی عقل نے دائمی زندگی کو شعور کے ساتھ ہمہ وقت سمجھا ہی نہیں ہے۔ اس مغالطے میں غیر تعلیم یافتہ تو مبتلا تھے ہی اعلیٰ تعلیم یافتگان تک مبتلا دیکھے جاتے ہیں۔ صد حیف ایسے علم پر۔ علم آج عبادت کا درجہ چھوڑ کر، تجارت اور پاپی پیٹ کا دھندا بن کر رہ گیا ہے، جس کسی سے مقصد تعلیم پوچھیں، آسان اور سادہ جواب ملے گا، میں ڈاکٹر یا انجینئر بنوں گا یا بنوں گی، میں سی ایس پی بنوں گا، میں پروفیسر بنوں گا بشرطیکہ فارن سروس میں نہ جا سکا، میں فوج میں کمیشن لوں گا، اگر کچھ نہ بن سکا تو سکول ٹیچر، پٹواری، پولیس کا سپاہی یا دفتر کا بابو بنوں گا اور یہ بھی مقدر میں نہ ہوا تو حافظ قرآن بن کر، کسی دینی مدرسے میں دو چار سال لگا کر خطیب بنوں گا اور یہ بھی نہ ہوا تو محکمہ اوقاف میں مؤذن تو ہو ہی جاؤں گا۔

موجودہ دور میں علمی میدان کے قحط الرجال کا ذکر کرتے ہوئے عبدالرشید ارشد لکھتے ہیں:

> ”تعلیم کے بارے میں غیر ذمہ دارانہ اور غیر حقیقی سوچوں کے سبب آج کی تعلیم نے معیاری کھیپ تیار کرنا چھوڑ دی ہے اب نہ رومیؒ ہیں نہ رازیؒ نہ امام بخاریؒ ہیں نہ ابن تیمیہؒ نہ شیخ احمد سرہندیؒ نہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور سید احمد شہیدؒ یا سید اسماعیل شہیدؒ۔ اس صدی میں ایک قائداعظمؒ، ایک اقبالؒ اور ایک سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ دیکھنے کو ملا۔[۲۴]

مقصد علم کی فراموشی کا رونا روتے ہوئے ڈاکٹر انیس احمد لکھتے ہیں:

> ”علم جب تک خود شناسی اور خالق شناسی اور مقصد حیات کی بہتر تکمیل کے لیے تھا کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ آئندہ بھی کبھی شعور کے ساتھ اسی راہ کی طرف پلٹ آنے کی صورت بن گئی تو ان شاء اللہ وہ سب کچھ دوبارہ نصیب ہوگا۔ لیکن اگر یہ پیٹ ہی کے لیے رہ گیا تو ہم سب کچھ گنوا کر پیٹ بھی نہ بھر سکیں گے۔

۲۲۔ ملت اسلامیہ دوراہے پر، ص: ٦٧

۲۳۔ علامہ محمد اقبال، بانگ درا ”تعلیم اور اس کے نتائج“ ص ۳۱۰

۲۴۔ عبدالرشید ارشد ”اکیسویں صدی کا چیلنج اور لوازم تعلیم و تربیت“ ص ۲۴

بات بڑی سادہ ہے کہ اگر علم اور رزق لازم وملزوم ہوتے تو بے علم سب کے سب فاقے سے مرجاتے۔ مگر کتنے بے علم ہیں جو علم والوں سے بڑھ کر وسائل رزق و آسائش کے مالک ہیں۔ سخت نادان ہے جو شخص اور وہ قوم جو خدا کی دی ہوئی مہلت کو غفلتوں اور سرشاریوں میں ضائع کر دے اور داعیان حق کی صداؤں کو بہرے کانوں سنے جائے اور ہوش میں صرف اسی وقت آئے جب اللہ کی گرفت کا مضبوط ہاتھ اس پر پڑ چکا ہو۔'' ۲۵

☆ مخلوط تعلیم

''مغربی خطوط پر مسلم نوجوانوں کی تعلیم جو مغرب کے ثقافتی تجربات اور اقدار پر مبنی ہے۔ اسلام دشمنی کے اثرات سے پاک ہوسکتی ہے؟ ہم یہ توقع کرنے میں حق بجانب نہیں البتہ بعض صورتوں میں ہوسکتا ہے کہ انتہائی ذہین مسلم نوجوان مغربی نظام تعلیم کی برائیوں کا شکار ہونے سے بچ جائیں ۔ مسلمان نوجوانوں کے لیے مغربی تعلیم لازمی طور پر پیغمبرؐ کے پیغام پر ایمان کو کمزور کر دیتی ہے کہ وہ اسلام کی نمائندگی کریں ۔ درحقیقت ہمارے دانشور طبقے نے مغربی اقدار اختیار کیں ہیں ۔ اور ان میں مذہبی عقائد رفتہ رفتہ کمزور پڑتا جا رہا ہے۔ لیکن اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اسلام نے عملی مذہب ہونے کی اپنی حیثیت غیر تعلیم یافتہ طبقہ میں برقرار رکھی ہے۔ مغرب زدہ دانشورں کی اسلام سے بیگانگی کی یہ توجیہ نہیں کی جاسکتی ہے کہ مغربی سائنس نے ہماری مذہبی تعلیمات کے خلاف معقول دلائل فراہم کر دیئے ہیں بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جدید مغربی معاشرہ کی ذہنی فضا مذہب کے سخت خلاف ہے۔ یہ فضا مسلمان نوجوان نسل میں مذہبی رجحانات کو کچل دیتی ہے۔'' ۲۶

مخلوط طرز تعلیم کے خلاف پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ جس اختلاط کو روکنے کے لیے مردوزن کے علم وخبیر وحکیم خالق نے اپنی محکم کتاب میں پردے کے احکامات صادر فرمائے ہیں وہ اختلاط کسی بھی صورت میں اور کسی بھی جگہ خیر و برکت کا سبب نہیں ہوسکتا وہ اپنی مخلوق کی مکمل نفسیات سے اس جبلتوں سے آگاہ ہے۔ اس کے کمزور پہلو اس سے چھپے ہوئے نہیں۔ یہ حقیقت روز وروشن کی طرح عیاں ہے۔ مخلوط تعلیم پر پابندی آزادی نسواں پر پابندی نہیں ہے۔ اسلام اور مسلم معاشرے نے عورت کو اس کے اپنے دائرے کار میں ہر طرح کے حقوق کا تحفظ اور آزادی کی فکر ونظر اور آزادکاری سے نوازا ہے۔ مذہب بیزار 'اپنے' اور مذہب دشمن 'غیر' مسلمان عورت کو بہکانے کی خاطر شور مچاتے ہیں کہ مخلوط تعلیم کا انتظام نہ ہوا تو صلاحیتیں مرجائیں گی، امر واقع تو یہ ہے کہ جہاں مخلوط تعلیم نہیں ہے وہاں یکسوئی صلاحیتوں کو جلا بخشی ہے۔ ۲۷

بدی اور برائی کا سیلاب مختلف شکلوں اور لبادوں میں نئی مسلمان پود کے ذہنوں کو موسوم کرتا چلا جا رہا ہے۔ آرٹ، ثقافت، ورائٹی اور فیشن شوز، فن فیئر کی تقاریب اور مینا بازار اور خواتین کے حقوق اور ترقی کے نام پر بے راہ روی، بے پردگی اور حیا سوزی کی جو فضا مسلمان بچیوں کے اردگرد پیدا کی جا رہی ہے اس کے نتائج سے انہیں بچانے کے لیے خدا کی

۲۵۔ ڈاکٹر انیس احمد، ''معاشرتی بگاڑ اور خواتین کا حصول تعلیم''، ص ۹۳ تا ۹۷، ماہنامہ ترجمان القرآن۔ اگست ۲۰۰۴ء

۲۶۔ ملت اسلامیہ دوراہے پر، ص ۶۷-۶۸ ۲۷۔ عبدالرشید ارشد، لمحہ لمحہ پھسلتے قدم، ص ۱۱۹

فرماں بردار خواتین پر لازم ہے کہ بدی کے اس سیلاب کے آگے بند باندھنے کے لیے تمام ممکن تدابیر سوچیں اور اختیار کریں۔ درحقیقت کسی بھی معاشرے کے افراد کے اس کردار کا تعین جو وہ معاشرے میں ادا کرتے ہیں، اس معاشرے کے عقائد و اقدار اور منہاج و مقاصد اور حالات وضروریات کرتے ہیں جن کے حصول کے لیے ان کے مخصوص حالات اور عقائد اقدار اور منہاج و مقاصد اور حالات وضروریات کرتے ہیں جن کے حصول کے لیے ان کے مخصوص حالات اور ضروریات کے تقاضوں کے مطابق تربیت دی جاتی ہے۔ اور اس تربیت کا سب سے بڑا اور واحد ذریعہ تعلیم ہے۔

ہر معاشرہ چاہے وہ ایشیا کا ہو یا یورپ کا، امریکہ کا ہو یا افریقہ کا، اپنا نظام تعلیم اور نصاب تعلیم اس نوعیت کا رکھتا ہے کہ اس کے افراد اپنے معاشرے کے مخصوص حالات اور ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے عقائد و اقدار اور منہاج و مقاصد کو پورا کرنے کے قابل ہوسکیں اور معاشرے کی ترقی کی سمت رواں دواں رکھ سکیں۔

مرد و عورت کا دائرہ کار اور مخلوط تعلیم

یہ ایک اصولی بات ہے کہ خالق کائنات اور مدبر کائنات نے بنی نوع انسان کو جنس کے اعتبار سے دو گروہوں میں بانٹ دیا ہے، یعنی مرد اور عورت۔ پھر اس نے زندگی کے کچھ دائرے اور فرائض مردوں کے سپرد کیے اور کچھ فرائض اور شعبے عورتوں کے، تاکہ زندگی کی گاڑی احسن طور پر چل سکے۔ یوں نہ ہو کہ گاڑی تو سرپٹ دوڑ پڑے، مگر اس کے کل پرزوں کی غلط ترتیب کے باعث جھٹکے پر جھٹکا کھاتی رہے اور باوجود اپنی رفتار کے جلد یا بدیر ٹوٹ پھوٹ کر برباد ہو جائے۔

یوں اگر تعصب کی عینک اتار کر حقیقت پسندانہ نگاہ سے دیکھا جائے، تو دائرہ کار اور فرائض کی یہ تفریق عین فطری ہے۔ ظاہر ہے کہ معاشرے کے تمام افراد ایک ہی نوعیت کا کام نہیں کر سکتے، معاشرے کے متوازن طریقے پر ترقی دینے کے لیے تقسیم کار ضروری ہے، اور پھر کسی خاص شعبے کی ترقی کو کل ترقی پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ فرائض اور دائرہ کار کی بنیاد پر متوازن ترقی کو جاری رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف مزاجوں، طبیعتوں، ذوق، رجحانات اور قابلیتوں سے نوازا ہے۔

تعلیم نسواں کی اہمیت

یہ بھی ایک اہم اصولی بات یہ ہے کہ اسلام عمومی طور پر مرد اور عورت کا اختلاط پسند نہیں کرتا ہے اور نہ صرف یہ کہ پسند نہیں کرتا بلکہ حتی الامکان علیحدہ رکھنے کی پوری منصوبہ بندی سے نظام بناتا ہے تاکہ مخلوط معاشرت کے امکانات پنپ نہ سکیں۔ تعلیم کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان کو اس مقصد کے لیے تیار کیا جائے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ اسے ان ذمہ داریوں کے لیے تیار کیا جائے جو اسے اپنی زندگی میں انجام دینا ہوتی ہیں اس اعتبار سے تعلیم ہر انسان کے لیے یکساں اہمیت رکھتی ہے قطع نظر اس بات کے کہ وہ مرد ہو یا عورت یہی وجہ ہے کہ اسلام نے تعلیم کا حصول مرد و عورت، ہر دو یکساں طور پر واجب قرار دیا ہے۔ زندگی کی بقاء اور فروغ کے لیے مرد اور عورت دونوں یکساں اہمیت رکھتے ہیں جس طرح کائنات کے حسن اور نمو کے لیے سورج اور چاند ہر دو کی تب و تاب ضروری ہے، اسی طرح زندگی کے حسن اور نمو کے لیے مرد و عورت کا ملاپ اور ان کی تعلیم و تربیت۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ زندگی کے بارگراں کو دونوں نے سنبھالا

ہے۔ لہٰذا مرد کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عورت کو تعلیم دینا بھی یکساں طور پر ضروری ہے۔ اسی طرح یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ بچے کی اولین تربیت گاہ ماں کی گود ہوتی ہے۔ عورت کا اصل کام نسل انسانی کی امانت کو سنبھالنا، اسے اپنے خون جگر سے پروان چڑھانا، تعلیم و تربیت دینا اور یوں کہ انسانی معاشرے کو اس کا سب سے قیمتی سرمایہ مہیا کرنا ہے۔

یہ عورت ایک ایسی کارگاہ ہے جو معاشرے کو اس کے مطلوبہ انسانی پرزے ڈھال ڈھال کر مہیا کرتی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ''ایک مرد کو تعلیم دینا ایک فرد کو تعلیم دینا ہے جبکہ ایک عورت کو تعلیم دینا ایک نسل کو تعلیم دینا ہے۔ یوں یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ ''اچھی مائیں ہی بہترین قوم پیدا کر سکتی ہیں لیکن عورت کو تعلیم دینا ایک نسل کو تعلیم دینا ہے۔ لیکن عورت اپنا یہ فریضہ صرف اسی صورت میں صحیح طور پر ادا کر سکتی ہے جب اسے تعلیم و تربیت کے ذریعے اس مقصد کے لیے تیار کیا گیا ہو جس قدر اچھا اور معیاری اہتمام اس کی تعلیم کا ہوگا، اسی قدر کامیابی کے ساتھ وہ اپنے فریضہ کو ادا کر سکے گی۔ لہٰذا اس پہلو سے دیکھا جائے تو عورت کی تعلیم مرد کی تعلیم سے اہم ہوتی ہے۔ اس لیے خود مرد کی تعلیم و تربیت کا انحصار بھی اس بات پر ہے کہ اسے اپنی اولین تربیت یعنی آغوش مادر میں کس طرح کی تعلیم و تربیت ملتی ہے۔

مخلوط تعلیم کا مطلب ہے ''طلباء و طالبات ایک ہی مضامین کی تعلیم، ایک ہی وقت میں، ایک ہی جگہ پر، ایک ہی طریقہ، ایک ہی نظام کے تحت۔ اس تعریف کی رو سے یہ ایک ایسا طرز تعلیم ہے جس میں طلبہ اور طالبات مکمل مساوات کے عالم میں ایک ساتھ تعلیم حاصل کر رہے ہوں۔ ان کا نصاب تعلیم یکساں ہوں، کلاسیں مشترکہ ہوں۔ ہاسٹل اور رہائش گاہیں مشترکہ ہوں۔ غرضیکہ کسی پہلو سے بھی طلبہ اور طالبات کے نصاب تعلیم اور نظام تعلیم میں کوئی فرق نہ ہو۔ نہ مضامین الگ الگ ہوں، نہ اساتذہ، نہ کلاسیں الگ الگ ہوں، نہ ہاسٹل الگ ہو نہ کیفے ٹیریا نہ لائبریری الگ ہو نہ کھیل کا میدان، غرضیکہ طلبہ و طالبات کے درمیان کسی پہلو سے کوئی امتیاز نہ کیا جائے۔

غیر فطری نظام تعلیم:

مخلوط تعلیم کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ ایک غیر فطری نظام تعلیم ہے۔ عورت اور مرد کی فطری ساخت اور صلاحیتوں پر جس پہلو سے بھی اور جتنا غور و خوض کیا جائے، یہ بات واضح سے واضح تر ہوتی چلی جاتی ہے کہ ان دونوں کو زندگی میں دو الگ الگ کردار ادا کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کی فطری ساخت اور صلاحیت میں اس قدر نمایاں فرق نہ ہوتا، لہٰذا عقل و منطق اور فطرت، سب کا یہی تقاضا ہے کہ عورت اور مرد، ہر دو کا نظام تعلیم و تربیت ایسا ہونا چاہیے۔ جو ان میں سے ہر ایک کو اس کردار کے لیے تیار کرے، جو اسے زندگی میں انجام دینا ہے۔ لہٰذا عورتوں کے لیے تشکیل دیا جانے والا نظام تعلیم، ان کی فطری ساخت اور وظیفہ حیات کے مطابق ہونا چاہیے اور مردوں کے لیے نظام تعلیم ان کی فطری ساخت اور وظیفہ حیات کے مطابق اس اعتبار سے دیکھا جائے تو مخلوط تعلیم نہ مردوں کے مناسب اور نہ عورتوں کے لیے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ عورت اور مرد ہر دو کو زندگی میں یکساں قسم کا کردار ادا کرنے کے لیے تیار کیا جائے، جو عقل، منطق اور اس کا لازمی نتیجہ مرد و عورت، ہر دو کی فطرت کے مسخ ہونے اور صلاحیتوں کی بربادی کی صورت میں نکلتا ہے۔

علامہ اقبالؒ مخلوط معاشرت اور مخلوط تعلیم کے تباہ کن نتائج کا مرثیہ کہتے ہوئے فرماتے ہیں:

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہندو یوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال؟
مرد بیکار وزن تہی آغوش[۲۸]

مخلوط تعلیم کے اثرات ونتائج

دنیا میں آج تک ایسا معاشرہ وجود میں نہیں آیا۔ جس میں مرد وعورت کے درمیان آزادانہ اختلاط بھی ہو اور وہ جنسی آلودگی سے پاک بھی رہا ہو۔ یہ بات عقل ومنطق اور فطرت، ہر چیز کے منافی ہے۔ لہٰذا مخلوط معاشرت اور مخلوط تعلیم کا لازمی نتیجہ اخلاقی بے راہ روی، جنسی تعلقات کی آزادی اور جرائم کی بہتات ہوتا ہے۔

اخلاقی وجنسی بے راہ روی:

امریکہ کے مخلوط کالجوں میں، لڑکوں کے کالج کے قریب واقع لڑکیوں کے کالج میں 80 فیصد لڑکیاں تعلیم حاصل کرنے سے قبل جنسی تعلقات قائم کرنے والی لڑکیوں میں کالج کی طالبات کا تناسب ایسی طالبات کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے جنہوں نے کالج میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ ورجینیا کے ایک چھوٹے اسکول کی فارغ التحصیل طالبات کے اپنے بیانات سے انکشاف ہوا کہ 57 سے 85 فیصد تک لڑکیاں جنسی تعلقات قائم کر چکی ہوتی ہیں۔ مشی گن یونیورسٹی کے طلبہ کا اپنا انداز ہے کہ گریجویٹ ہونے تک بمشکل 20 فیصد اور بعض کی رائے میں 30 فیصد لڑکیاں جنسی تعلقات سے بچ نکلتی ہیں۔

اگر ہم اخلاقی لحاظ سے مخلوط تعلیم کا جائزہ لیں تو طلباء وطالبات کو ایک ماحول میں، ایک جگہ، ایک ہی نصاب کی ہی تعلیم دینا دیکھنے میں جس قدر بے ضرر اور معصوم نظر آتا ہے۔ عمل کی دنیا میں ویسے ثابت نہ ہو سکا۔ دو مخالف صنفوں کو اکٹھا کرنا زبردست اکٹھا کرنا زبردست اخلاقی بگاڑ کا موجب بنا اور جوں جوں خاندانی نظام کی گرفت کمزور اور پردہ میں کمی آتی جا رہی ہے۔ مخلوط تعلیم اپنے اخلاقی نتائج دکھاتی جا رہی ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ معاشرے کے عام بگاڑ کا ساتھ دیتے ہوئے تعلیم گاہوں میں مخلوط تعلیم روز بروز اپنی نوعیت میں زیادہ مخلوط ہوتی ہے جا رہی ہے۔ معاشرے کے بندھن کمزور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور خاندانی اثرات کی گرفت ڈھیلی ہو رہی ہے دینی اقدار کا لحاظ اٹھتا جا رہا ہے۔ آزادانہ اختلاط کے مواقع زیادہ دیئے جا رہے ہیں طلباء وطالبات میں ایک ساتھ تعلیم حاصل کرنے کے باوجود عزت واحترام کی جو حد قائم تھی وہ اٹھتی جا رہی ہے۔ ”آج جب مخلوط تعلیمی اداروں پر نظر دوڑائیں تو حالات یکسر مختلف نظر آتے ہیں۔

معیار تعلیم کی پستی:

مخلوط تعلیم کے حامی ایک دلیل یہ دیتے ہیں کہ مخلوط تعلیم میں مخالف جنس کی موجودگی جذبہ مسابقت بڑھانے کا

۲۸۔ علامہ محمد اقبال۔ کلیات اقبال، ضرب کلیم، عورت۔ ص ۷۱۷

باعث بنتی ہے جس سے تعلیمی معیار میں اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن دوسری طرف معیار تعلیم میں کمی کی روز بروز شکایات بڑھتی جا رہی ہیں؟ کامیاب طلبہ کی مقدار کم ہوتی جا رہی ہے۔ تحقیقی معیار گھٹ رہا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ یہی مخلوط تعلیم طلباء و طالبات کی توجہ اصل تعلیم سے ہٹانے کا موجب ہے، طالب علموں کے لیے سب سے اہم جنس مخالف کی توجہ کا مرکز بنا رہنا ہوتا ہے۔ کلاس میں لیکچر توجہ سے نہیں سنے جاتے کلاس روم کے باہر گفتگو اور بحث کے موضوعات بھی تعلیم سے متعلق نہیں ہوتے۔ ساری سرگرمی مذاق اور سوچ بچار کا طور کچھ اور ہی ہوتا ہے اور پھر اس کی کوئی ضمانت نہیں کہ کالج یا تعلیمی ادارے سے باہر وہ ان تصورات سے خالی ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ان کی ذہنی کیفیت کا اندازہ ایک مخلوط تعلیمی ادارے میں زیر تعلیم طلباء کے اس تبصرے سے ہوتا ہے۔

''ہاسٹل جا کر ہم دو اہم کرتے ہیں۔ ایک پڑھائی دوسری لڑکیوں کو ''ڈسکس'' کرنا لیکن زیادہ وقت دوسرے کام پر ہی خرچ نہیں ہوتا ہے۔'' ۲۹

یوں وہ تعلیم جو ذہنی یکسوئی کا تقاضا کرتی ہے۔ ایک شدید قسم کے ذہنی انتشار اور عدم توجہی کا شکار ہو رہی ہے اور خطرناک انداز میں یوں متاثر ہو رہی ہے۔ ایسے حالات میں عمدہ معیار تعلیم کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔

رہی یہ بات کہ مخلوط تعلیم کو ختم کرنا زمانے کی رو کے خلاف ایک قدم ہوگا۔ اب عورت کو جو مقام حاصل ہے وہ گھر میں بیٹھنے کا نہیں بلکہ قومی ترقی میں شانہ بشانہ حصہ لینے کا ہے، اسی طرح وہ جدید دور کے تقاضے پورا کر سکتی ہے اور پاکستان کی ترقی میں اپنا حقیقی حصہ ادا کر سکتی ہے۔ مخلوط تعلیمی اداروں کو ختم کرنا اس عمل کو روکنے کا سبب ہوگا۔ اول تو حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے اور تجربے کی آنکھ نے اسے سچ کر دکھایا ہے کہ عورت نے جب کبھی اپنے دائرہ کار کے مطابق اپنی صلاحیتوں اور فطرت کے مطابق تعلیمی اداروں کے عہدے سے زیادہ خدمات سرانجام دے گی۔ اگر اسے ایسے جداگانہ تعلیمی ادارے میسر ہوں۔ جہاں وہ اپنی صلاحیت اور فطرت کے مطابق آزادی سے تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔

مخلوط تعلیم نے پردہ و حیات اور عصمت و عفت کے تمام تصورات کو ملیامیٹ کر کے، نیز ادارہ خاندان کی بنیادیں ڈھا کر یہاں بھی، 'آزادی نسواں' ترقی نسواں، حقوق نسواں اور مساوات مرد و زن کے خوبصورت عنوانات کے ساتھ مخلوط معاشرت قائم کر کے عورت کو مردوں کے سہل الحصول ہمہ وقتی، دوش بدوش اور ہر جائی قسم کا شہوانی کھلونا بنا دیا ہے اور بہ اعتبار حقیقت سے شرف انسانیت کو محروم کر دیا ہے۔ مخلوط تعلیم نے عورت کو مساوات کا جو درجہ عورت سمجھتے ہوئے نہیں دیا۔ بلکہ یہ مقام مرد بنا کر دیا گیا ہے۔ نتیجتاً عورت کو وہ فرائض جو فطرت نے صرف اس کے سپرد کیے اور وہ فرائض جو مرد کے حصے میں سے کم کر کے اس پر لادے ہیں، اٹھانے پر پڑتے ہیں۔ اور یوں مرد کے حصے کا کام نصف اور عورت کا ڈیڑھ گنا ہو گیا ہے۔

یہ ایک نہایت عجیب امر اور احمقانہ حقیقت ہے کہ یورپ نے مخلوط تعلیم اور مخلوط معاشرت کو اس لیے اپنایا کہ ان کے پاس الہامی ہدایت موجود نہ تھی۔ انہوں نے انسانی عقل و فکر کے مطابق جس چیز کو ملک و قوم کے لیے وقتی طور پر مناسب سمجھا، اپنا لیا اور اب جبکہ اس کے نقصانات سامنے آ رہے ہیں تو وہ اس سے پیچھے چھڑانے کی تدبیر سوچ رہے ہیں۔ لیکن ہم کس قدر بیوقوف ہیں کہ ہمارے پاس دنیا کی بہترین کتاب قرآن مجید اور اسوۂ رسولؐ کی صورت میں مالک و خالق کائنات کا

۲۹۔ نور الاسلام، مخلوط تعلیم کے نقصانات: جداگانہ نظام تعلیم، ص ۴۹

عطا کیا ہوا نظام حیات موجود ہے جو ہر زمانے اور ہر دور کے لیے موزوں بھی ہے اور ہر عیب سے پاک دنیاوی ترقی اور وقار کا ضامن بھی ہے اور اُخروی فلاح و بہبود کی نجات بھی۔ لیکن صد افسوس کہ ہم اس رشد و ہدایت کے روشن مینار کو چھوڑ کر دور دور تک اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں اور جہاں کسی کونے یا گوشے میں ہلکی سی عارضی روشنی نظر آتی ہے۔ اندھوں کی طرح ادھر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ روش سراسر غیر دانشمندانہ ہے۔

درحقیقت مخلوط تعلیم کوئی سیدھا سادھا عمل نہیں ہے بلکہ ہمارے معاشرے کی پوری بنیادیں ہلا دینے کا سامان ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ پاکستان بنتے ہی ہم اپنے شکستہ محاذ کو از سر نو درست کرتے اور انگریز کی لائی ہوئی قباحتوں کو اپنے نظام تعلیم سے رفع کرتے۔ اسلام نے مردوں اور عورتوں میں ذمہ داریوں کی جو تقسیم کی تھی، اسے بحال کر دیتے لیکن ہمارے اندر سے اٹھ کر ہمارے اوپر کارفرمائی اور کار پردازی کرنے والے طبقوں نے ہمیں بعض تہذیبی شکست کے راستے پر آگے ہی آگے بڑھنے پر مجبور کر دیا۔ اگر پہلے اس معاملے میں ہم خرابی احوال پر قابو نہیں پا سکے تو اب یہ لمحہ ضائع نہیں کرنا چاہیے بلکہ یہ سمجھ کر کام کرنا چاہیے کہ جیسے پاکستان آج ہی بنا ہے اور ہمیں اسلام کا مطلوبہ پاکستان بنانا ہے۔ ہم خواہ کسی بھی فکری اور عملی کوتاہیوں میں جا پڑے ہوں۔ آج بھی ہمارے لیے سرچشمہ ہدایت اسلام ہے۔ دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ہر معاملے میں اسلام کے مقرر کردہ اصول و حدود کو معیار فیصلہ قرار دیں اور سرسری معلومات کو لے کر تاویلاتی ہیر پھیر سے انحراف کی راہیں نکالنے کے لیے بجائے، دین برحق کے تقاضوں کو بہترین مفہوم کے ساتھ عملی زندگی کا حصہ بنائیں۔

مخلوط تعلیم کے نفسیاتی نقصانات

لڑکوں اور لڑکیوں کا ایک کلاس میں جمع ہونا نفسیاتی اور حیاتیاتی (Biological) کا لحاظ سے تباہ کن ہوتا ہے۔ مشہور محدث اور عالم اسلام امام ابن حزم (متوفی ۴۵۶ھ) اپنی کتاب 'طوق الحمامہ' میں جو مردوں اور عورتوں کی نفسیات پر لکھی گئی ہے، بیان کرتے ہیں:

> ''میں واشگاف الفاظ میں آپ کو ایک بات بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر مرد یہ محسوس کر لے کہ وہاں پر کوئی نا محرم عورتیں موجود ہیں جو اس کی باتیں سنتی ہیں تو اس سے غیر معمولی اور خلاف دستور اقوال و حرکات صادر ہوتی ہیں اور وہ ایسی باتیں کرتا ہے جس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی طرح کی حرکات عورتوں سے نامحرم مردوں کی موجودگی میں صادر ہوتی ہیں۔'' [۳۰]

امریکی مفکر اور سوشل سائنسدان جورج گلڈر جس کی قابلیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ''سابق صدر رونالڈ ریگن کا دست راست تھا، اپنی کتاب (Men and Marriage) میں لکھتا ہے کہ مخلوط تعلیم میں لڑکے اور لڑکیاں جلدی بالغ ہو جاتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ بلوغت کے وقت لڑکوں کے جسم میں مردانہ ہارمونز Testosterone عام حالات کے مقابلے میں دس سے بیس گنا زیادہ پیدا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے شدید نفسیاتی اور جنسی ہیجان کا شکار ہوتے ہیں۔ لڑکیوں میں زنانہ ہارمونز Progesterone اور Estrogens کی وجہ سے بلوغت کے دور میں سستی اور ڈپریشن عام ہوتا

۳۰۔ ابن حزم، طوق الحمامۃ، مطبوعہ مصر۔

ہے۔ایسے حالات میں ان کی اکثریت جنس مخالف کے متعلق ہی سوچتی رہتی ہے۔'' ۳۱

پھر جورج گلڈر لکھتا ہے:

If you do not belive this, you are a dreamer

''اگر آپ لوگ اس بات کو نہیں مانتے تو آپ خوابوں کی دنیا میں بس رہے ہیں۔'' ۳۲

دلچسپ بات یہ ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی مردوں عورتوں کے احساس یہی رہتے ہیں۔ اسکولوں اور کالجوں میں جہاں مخلوط تعلیم ہے، وہاں معاشقے، پسند کی شادیاں (Love Marriages) اور گھر سے بھاگنے کے واقعات اسی ماحول کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

مخلوط تعلیم کے دورس زہریلے نتائج

کو ایجوکیشن کے مسئلے پر امریکا کے نہایت موقر جریدے ''Buisness Week'' کے 26 مئی 2003ء کے شمارے میں ایک مضمون چھپا تھا جس کا عنوان تھا The New Gender Gap اس مضمون کی مصنفہ بھی ایک خاتون صحافی ہیں جن کا نام ہے مشال کونلن۔

مشال نے بتایا ہے کہ مخلوط تعلیم کی وجہ سے پچھلے 20 برس کے مقابلے میں تعلیم کے میدان میں مردوں کی تعلیم اور قابلیت میں دن بدن کمی واقع ہوتی جا رہی ہے۔ مغربی ممالک میں لڑکوں کی بڑی تعداد اسکولوں کے بعد کالجوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ مخلوط تعلیم میں لڑکوں کو غیر فطری اور اکثر اوقات میں زنانہ ماحول میں تعلیم دی جاتی ہے جس کی وجہ سے کئی لڑکے اس ماحول سے مایوس ہو کر سوسائٹی میں ناجائز طریقوں سے مثلاً جرائم کر کے اپنی مردانگی دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مزید برآں --197ء کے بعد سے جیسے جیسے امریکہ میں مخلوط تعلیم کے اسکولوں میں اضافہ ہوا ہے اسی طرح نوجوان لڑکوں کی خودکشی کرنے کی شرح میں بھی 3 گنا اضافہ ہوا ہے۔

کو ایجوکیشن میں جب ٹیچرز یہ دیکھتے ہیں کہ لڑکے اور لڑکیوں کے مقابلے میں ایک جگہ ٹک کر بیٹھ کر پڑھائی نہیں کر سکتے تو انہیں توجہ مرتکز نہ کر سکنے کی بیماری (Attention Deficit Syndrome) کا مریض قرار دے کہ انہیں Ritalian دوائی دینا شروع کر دیتے ہیں جبکہ ایسی صورت میں پاکستان کے کو ایجوکیشن اسکولوں میں ایسے لڑکوں کی جانوروں کی طرح پٹائی کی جاتی ہے۔ امریکہ جو اس وقت پوری دنیا کی 80 فیصد رٹیلین (Ritalian) بچوں کو AID کا مریض قرار دے کر استعمال کروائی جاتی ہے حالانکہ یہ بیماری حقیقت میں بچوں میں نہیں بلکہ تعلیمی نظام میں ہے۔

یک صنفی تعلیم کی کامیابی کا عملی ثبوت

جن لوگوں نے زمانے کی ٹھوکریں کھانے کے بعد اب اسلام کے یک صنفی نظام تعلیم (Single Sex Education System) کو آزمایا ہے انہوں نے اس ثمرات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ امریکہ کی ریاست واشنگٹن کے 'سی ایٹل' (Seattle) کے ایک اسکول کے پرنسپل بینجمن رائٹ نے اپنے اسکول کو جو پہلے Co-education پر مبنی تھا،

۳۱۔ گوہر مشتاق ''مخلوط تعلیم'' ص ۹ ۳۲۔ ایضاً

تبدیل کر کے جداگانہ اسکول بنا دیا یعنی لڑکوں اور لڑکیوں کی کلاسیں علیحدہ علیحدہ کر دیں۔

مسٹر رائٹ نے بتایا کہ پہلے مخلوط تعلیم کے ماحول میں ہم اساتذہ کا زیادہ وقت لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان ہونے والے چھیڑ چھاڑ کے مسائل کو سلجھانے میں لگتا تھا، اب غیر مخلوط ماحول میں ہم فی الحقیقت بچوں کو علم سکھا رہے ہیں۔ 2002ء میں ریاست واشنگٹن میں ہونے والے امتحانات میں ہمارے اسکول کے لڑکے جو پہلے مخلوط تعلیم کی وجہ سے 10 فیصد نمبر لیتے تھے اب ان کے اسکور 73 فیصد تک پہنچ گئے ہیں اور یہ حیران کن کامیابی ہے۔[۳۳]

جمیکا، امریکا کے قریب واقع ایک ملک ہے۔ وہاں پر غیر مخلوط تعلیم عام ہے۔ وہاں پر ایک سروے کے مطابق کالجوں میں لڑکیاں حساب اور سائنس میں ان لڑکیوں سے زیادہ اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرتی ہیں جو لڑکیاں جمیکا کے Co-education کالجوں میں زیر تعلیم ہیں۔ اسی طرح کی تحقیق لاری اور براؤن نے 284 طالب علموں پر برطانیہ میں کی جو کہ (British Journal of Education Psycology) کے 1992ء کے شمارے میں چھپی۔

جولائی 2003ء میں آسٹریلیا کے شہر سڈنی میں تعلیم کے ماہرین کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی، جس میں سنگل سیکس اسکول کی اہمیت کے حق میں دلائل پیش کیے گئے تھے۔ اس کانفرنس میں ڈاکٹر بروس کوک جو کہ گولڈ کوسٹ کے ساؤتھ پورٹ اسکول کے پرنسپل بھی ہیں، نے مجمع کو اپنا تجربہ اور مشاہدہ بتایا کہ کہ غیر مخلوط اسکولوں سے پڑھے ہوئے لڑکے مستقبل میں زیادہ اچھے شوہر ثابت ہوتے ہیں کیونکہ اسکول اور کالج میں لڑکیوں کے ساتھ موجودگی نہ ہونے کی وجہ سے انہیں اپنے اوپر مردانگی کا مصنوعی خول نہیں چڑھانا پڑتا۔[۳۴]

اسی طرح مشہور مغربی مورخ سٹیون میلز (Steven Millies) نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ وہ ایک شرمیلی طبیعت کا انسان تھا اور چونکہ وہ غیر مخلوط اسکول میں گیا، اسی لیے اس کی صلاحیتیں نکھر سکیں اور بالآخر اس نے تاریخ میں پی ایچ ڈی حاصل کی۔

کینیڈا کے صوبے مانٹریال کے سب سے بڑے اخبار The Montreal Gazette میں اکتوبر 1999ء میں ایک رپورٹ شائع ہوئی تھی جس کا عنوان تھا :Lets seperate boys, girls in classes اس رپورٹ میں صوبہ کیوبیک کی تعلیمی کونسل کی تحقیق اور حکومت کو سفارش کا ذکر تھا کہ مخلوط تعلیم ختم کی جائے اور دوبارہ اسکولوں کو ویسے ہی بنایا جائے جیسے وہ 1940ء کی دہائی تک تھے۔ جب اسکولوں میں لڑکوں لڑکیوں کے داخلے کے دروازے بھی علیحدہ تھے۔ اس تعلیمی کونسل کی سربراہ ایک خاتون سیلین پیئر (Celine Pierre) نامی ہے اور اس کے الفاظ ہیں: ’’اس بات کا ثبوت وافر مقدار میں موجود ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں بالکل مختلف انداز میں علم حاصل کرتے ہیں۔‘‘ سیلین نے مزید بتایا کہ تعلیم غیر مخلوط (Seperate) ہونی چاہیے وگرنہ لڑکے اور لڑکیاں دونوں پڑھائی میں کمزور ہوتے چلے جائیں گے اور اس کا خمیازہ مستقبل میں کیوبک کے معاشرے کو بھگتنا پڑے گا۔[۳۵]

مغرب میں چونکہ خاندانی نظام بکھر کر رہ چکا ہے اور وہ اپنی نئی نسل کی تعلیم و تربیت کے لیے از حد پریشانی کا شکار ہے۔ اس لیے ان کے ہاں یہ سوچ پروان چڑھ رہی ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے علیحدہ تعلیمی ادارے قائم کیے جائیں تاکہ

۳۳۔ گوہر مشتاق ’’مخلوط تعلیم‘‘ ص ۹ ۳۴۔ ایضاً

۳۵ Report: The Montreal Gazette, Lets separate boys girls in Classes October 1999.

مخلوط تعلیم کے زہریلے اثرات سے معاشرے کو بچایا جا سکے۔ اس کے لیے انہوں نے علیحدہ تعلیمی اداروں کی تحریکیں شروع کی ہیں۔ کیونکہ یہ جدید سائنسی تحقیقات ثابت کر رہی ہیں کہ مرد و عورت کی نہ صرف جسمانی ساخت مختلف ہے بلکہ ان کی ذہنی صلاحیتیں اور ترجیحات بھی ایک دوسرے سے مختلف سمتوں میں کام کرتی ہیں۔ ایک ہی ہدف کے بارے میں مرد و عورت کی Mental Approach مختلف ہوتی ہیں۔ ۳۶؎

سکولوں میں جنسی تعلیم

بحیثیت مسلمان مغربی طریقہ تعلیم سے ہم کو جو تحفظات ہیں ان میں سے دوسرا بڑا تحفظ یہ ہے کہ ان کے سکولوں میں پانچ سال کے بچے سے لے کر تمام بچوں کی شرمناک جنسی تعلیم لازماً دی جاتی ہے۔ اس میں تمام تفصیلات کے ساتھ بچوں کے متعدد بیماریوں سے احتیاطی تدابیر اور ایڈز اور حمل سے بچاؤ کے تمام طریقے بتائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ پانچ سال کے بچوں کو تمام جنسی Body Parts کے نام سکھائے جاتے ہیں۔ بچوں کو محفوظ جنسی طریقے بتائے جاتے ہیں۔ جس میں Homosexuality اور Masterbation بھی شامل ہیں۔ جنسی تعلیم مغرب کے علاوہ افریقہ اور ایشیا کے بہت سے ممالک میں لازمی ہے۔ ہمارے ہاں بھی سیکولر طبقہ اس کو آہستہ آہستہ فروغ دے رہا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مغرب میں سکولوں میں اباحیت کے بے تحاشہ پھیل جانے کے بعد محفوظ جنسی طریقے پر جب فیل ہونے لگے تو انہیں ایک اور خیال سوجھا جسے Sex Abstinence کی جگہ سکولوں میں لازم کر دیا گیا۔ اس میں بچوں کو باور کروایا جاتا ہے کہ وہ شادی سے پہلے جنسی تعلقات سے بالکل پرہیز کریں۔ حیرت انگیز طور پر یہ طریقہ بھی فیل ہو گیا۔ جن بچوں سے وعدہ لیا گیا کہ وہ (سیکس) سے پرہیز کریں گے انہوں نے اوسط 18 ماہ بعد وعدہ توڑ کر وہی کام شروع کر دیا۔ یہ بالکل ایسے ہے جیسے بچوں کے آگے کھلونے رکھ دیے جائیں اور ان سے وعدہ لے لیا جائے کہ وہ نہ کھیلیں اور ان کے علاوہ تمام لوگ ان کھلونوں سے کھلم کھلا کھیل رہے ہوں تو کیا وہ بچے وعدہ پورا کر سکیں گے؟ جواب ہم خود سے پوچھ لیں کہ کیا ہوگا؟

امریکہ نے ایک مشہور تھنک ٹینک Hertiage foundation جو کہ واشنگٹن ڈی سی میں واقع ہے۔ اس پر ایک رپورٹ تیار کی ہے جو کہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ جب اسکولوں میں یہ شرمناک تعلیم دی جائے گی تو ان طالبعلموں کا کیا کردار تشکیل پائے گا اور کسی معاشرے میں جب تعلیمی اداروں سے اس بداخلاق نظام کے ساتھ افراد نکلیں گے تو اس کی اخلاقی حالت کیا ہوگی اور دنیا میں کس طرح کی آوارہ قوم ظہور پذیر ہوگی؟ یہ ہم سب کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ کیا ہم ایسا ہی نظام تعلیم اپنے معاشرے کے لیے پسند کرتے ہیں کہ حقائق کے نام پر گٹر کی غلاظت کو سب کے سامنے نکال کر پھر اس کی صفائی کی تدبیریں کرنے لگیں۔ ۳۷؎

۳۶؎ Report: The Montreal Gazette, Lets separate boys girls in Classes October 1999.

۳۷؎ Summary of Research report by the Hertiage foundation comprehensive Sex education vs Authentic Abstinence Shannan Martin, Robert Rector and Milissa G. Pardue.

اس رپورٹ میں درج ذیل عنوانات شامل ہیں جس میں شرمناک تجاویز دی گئیں ہیں جن کو قلم لکھنے سے قاصر ہے۔سکولوں میں جنسی تعلیم،مکمل جنسی تعلیم، احتیاطی تدابیر کی تعلیم ضروری ہے؟ والدین کی طرف سے بچوں کو کون سی احتیاطی تدابیر کی تعلیم ضروری ہے؟ جنسی تعلیم اور حتیاطی تدابیر سکھائے جانے والی تعلیم میں کیا فرق ہے اور یہ کیوں ضروری ہے؟ مانع حمل ذرائع بچوں کو سکھانے چاہئیں۔ مانع حمل ذرائع کو بچوں میں عام اور والدین کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا ممکن اور آسان بنایا جائے ؟ کم عمری کے حمل سے بچاؤ کی تدابیر۔ اسی طرح کے عنوانات اور اس کی تفصیلات پڑھ کر انسان کا دماغ ماؤف ہونے لگتا ہے کہ ہم نے واقعی شترمرغ کی طرح آنکھیں بند کی ہے۔ ہم جب 2000ء میں بیجنگ پلس کانفرنس میں شریک تھے تو بیشتر موضوعات اس وقت ہمیں یوں محسوس ہو رہے تھے کہ یہ ہمارا دردسر نہیں ہے کیونکہ ہمارا معاشرہ اللہ کے فضل سے اسلامی معاشرہ ہے مگر قومی اسمبلی کی رکنیت کے دوران ہمیں رپورٹس اور واقعات سے مطلع ہونا پڑا کہ ہم سر پکڑ کر بیٹھ جاتی ہیں کہ یہ مسائل اب ہمارے معاشرے میں در آنے لگے ہیں۔ ان رپورٹس اور اسی طرح کی ویب سائٹس کے مطالعہ کے دوران ایک بار پھر مجھے یوں لگا کہ اللہ کے فضل سے ہمارے تعلیمی اداروں میں یہ صورتحال نہیں ہے مگر دل کانپ گیا اور یاد آیا کہ ہم نے 2000ء میں یہی سوچا تھا اور پھر جب مغربی طرز معاشرت آئی تو ساتھ اپنے خبیث اور کڑوے پھل بھی لائی اسی طرح سے مغربی طرز تعلیم جب عام ہوگی تو ساتھ اپنے پھل بھی عام کرے گی۔

اس رپورٹ میں جنس سے متعلقہ اعمال کو بچوں کی فطرت قرار دیا گیا کہ ان کو صرف اس بات پر آمادہ کرنے کی ضرورت بیان کی گئی ہے کہ حمل نہ ہونے پائے اور متعدی جنسی بیماریاں نہ پھیلنے پائیں خصوصاً ایڈز سے بچاؤ کی تدابیر بیان کی گئی ہیں۔ اس رپورٹ کے مندرجات اتنے فحش ہیں کہ امریکہ میں بھی والدین کی طرف سے اس کی مخالفت کی گئی ہے مگر پھر بھی اعداد و شمار ہولناک حقائق بیان کر رہے ہیں۔ دوران تعلیم بچوں میں درج ذیل بیماریوں پر بھی مختلف اداروں نے رپورٹس مرتب کی ہیں۔ کم عمری میں شراب کا عادی ہونا،خواہشوں کا جنون ہونا، تمباکو نوشی، تشدد، دماغی امراض، بے ترتیب کھانے کی عادت، منشیات کا عادی ہونا، جنسی طور پر ملوث ہونا، کم عمری کے حمل، جنسی متعددی بیماریاں HAV/AIDS ان بیماریوں کی تفصیلات انسان کو واقعی پاگل کر دینے والے حقائق پر مبنی ہیں اور جنس زدہ مغرب جو حیوانیت پر مبنی معاشرہ بنانے جا رہا ہے وہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے کہ ہمیں اس نظام تعلیم سے خدا را بچایا جائے جو انسانوں کو تباہی کے عمیق غار میں دھکیل رہا ہے۔ جس طرح کارخانوں میں تیار ہونے والی مصنوعات کا کوئی ایک شخص بھی ذمہ دار نہیں ہوتا اور ایک کاریگر اپنی مصنوعات پر کوئی اختیار نہیں رکھتا اسی طرح امریکہ میں خاندان بھی بچوں پر اپنا اختیار کھوتا چلا جا رہا ہے۔ اسکولوں کی تعلیم نے گھر اور خاندان کی اہمیت سے بچے کو بیگانہ کر دیا ہے۔ خاندان اور معاشرے کی اقدار کو اب وہ اہمیت نہیں دیتے کیونکہ خاندان اور معاشرہ بھی انہیں کچھ نہیں دے پا رہا ہے۔ تعلیم اب اقدار پر وہ زور نہیں دیتی جو کبھی اس کا خاصہ تھی اب وہ ایک مطیع فرمان کارندے بنانے پر زور دیتی ہے۔ [۳۸]

[۳۸] EIDER George: Sex Education in American School and Islam.

''نیو یارک پوسٹ اپنے اخبار کی صفحہ اول پر یہ خوفناک انکشاف کرتا ہے کہ یہاں پر ایسے Sex Clubs پائے جاتے ہیں جن میں 11 سال کی کم عمر بچیاں حصہ لیتی ہیں۔''۳۹؎

ہر امریکی سکول چاہے وہ پبلک ہو یا پرائیویٹ گریڈ 2 سے گریڈ 12 تک جنسی تعلیم دیتا ہے۔ اور اس پروجیکٹ پر 2 بلین ڈالر رقم خرچ ہوئی۔ اساتذہ کو تمام جنسی محفوظ طریقے اپنے طالبعلموں کو بتانے تھے کہ کس طرح مانع حمل ذرائع کو استعمال کرنا ہے اور کس طرح HIV ایڈز سے بچنا ہے۔ بہت سے سکولوں میں یہ مانع حمل وسائل مفت دستیاب ہیں۔ والدین کا کردار کم سے کم کیا جا رہا ہے اور تعلیمی اداروں میں اقدار اور اخلاق کا کوئی ذکر نہیں۔۴۰؎

ڈاکٹر مسول گورڈن نامی ایک ماہر تعلیم نے محفوظ جنسی طریقہ تعلیم پر زور دیتے ہوئے ایک پوری گائیڈ بک لکھی ہے جس سے معصوم بچوں کی معصومیت کو شدید خطرات لاحق ہیں۔۴۱؎

''امریکی اسکولوں میں جنسی تعلیم نے جنسی متعدد بیماریوں اور کم عمری کے حمل سے بچاؤ میں کوئی کردار ادا نہیں کیا بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر 20 بچیوں میں سے 10 بچیاں حاملہ ہو جاتی ہیں اور ان ناجائز بچے کی ماں بن جاتی ہے۔'' ۴۲؎

جان ہاپکنز یونیورسٹی نے ۱۹۸۲ میں ایک تحقیقی رپورٹ شائع کی 15 سال کی ہر 5 میں سے 1، 16 سال کی 3 میں سے 1 بچی ملوث پائی جاتی ہے۔ 17 سالہ بچیوں میں یہ تناسب 43 فیصد، 16 سالہ بچیوں میں 46 فیصد اضافہ ہوا۔ اور اب یہ نظر آ رہا ہے کہ ہمارے معاشرے کی 80 فیصد بچیاں کالج میں داخلے سے قبل اپنی عصمت کھو چکی ہوتی ہیں۔ چرچ بھی اس میں ہماری کوئی مدد نہیں کر پا رہا ہے۔۴۳؎

''امریکہ میں ہر سال 80 فیصد غیر شادی شدہ بچیاں حاملہ ہو جاتی ہیں جن کی تعدا ایک ملین سے تجاوز کر جاتی ہے۔ ان میں سے 5 لاکھ بچوں کو پیدا کرنے کا فیصلہ کرتی ہیں اور ساڑھے 4 لاکھ ان کا اسقاط کرا دیتی ہیں۔ ایک لاکھ مائیں بچوں کو پیدا کر کے ان کی پرورش کے لیے دوسروں کو دے دیتی ہیں) 1950ء میں یہ شرح 13.98 فیصد تھی جو 1985ء میں بڑھ کر 59 فیصد کو پہنچ گئی پہلے یہ سمجھا تھا کہ یہ کالے اور غریب لوگوں کا مسئلہ ہے اب یہ سفید فام اور امیر طبقے کا مسئلہ بنتا جا رہا ہے۔۴۴؎

۳۹؎ Newyork Posts: May 23rd 2004.

۴۰؎ Time magazine: Report on Sex Education, Nov 24 1986

۴۱؎ Gordeon sol and dick man lrving R Sex education The Parents Role public affairs, Pamphlet No 549.

۴۲؎ Marian Elderman: President of Children's Defence fund

۴۳؎ Report: John Hopkins University: 1982.

۴۴؎ Richard D: Teenage pregnancy and sex education in schools what works and what does not work san Antonio pregnancy centre 1986.

''ایڈز کی بیماری بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ جنسی متعدد بیماریاں بھی تیزی سے پھیلتی جا رہی ہیں گھر سے بھاگے ہوئے بچوں کے لیے ادارے بنانے والے فادر بروس رٹر جو کہ نیو یارک سے تعلق رکھتے ہیں کہ گھر سے 10 لاکھ بچے بھاگ جاتے ہیں ان بے گھر بچوں میں اکثریت اپنے اندر ایڈز کے جراثیم لیے پھر رہے ہیں۔'' ۴۵؎

''بچوں میں جنسی بلوغت وقت سے پہلے آ رہی ہے اور ان میں ماں باپ بننے کا شوق زیادہ ہوتا چلا جا رہا ہے اور بچپن میں انہیں زیادہ احتیاطی تدابیر بھی استعمال کرنا آتیں جس کی وجہ سے بچوں میں یہ رجحان بڑھتا چلا جا رہا ہے۔'' ۴۶؎

''کالج کے لڑکوں سے ایک سروے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ شادی سے پہلے صنفی تعلقات میں ملوث ہونا ٹھیک سمجھتے ہیں۔ 25 فیصد کا جواب اثبات میں تھا اور یہ بھی کہا کہ یہ ہمارا پیدائشی حق ہے۔'' ۴۷؎

اس طرح کے ہولناک حقائق پر مبنی نتائج پڑھ کر عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے کہ ہمارے ارباب اختیار کیوں یہی نظام تعلیم یہاں پر بھی رائج کرنے کے درپے ہیں جب کہ مغرب اب خود اربوں ڈالر ان خرافات کے علاج پر خرچ کر رہا ہے مگر اب معاشرے اختیار میں نہیں رہے اور حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے بقول: تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی۔

اس پوری بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ تعلیم جو کہ کسی قوم کی ترقی کا بنیادی ضامن ہے۔ ہم چونکہ لنڈا بازار کی عادی قوم ہیں۔ مغرب جو چیز اتار کر پھینک دیتا ہے ہم اسے اپنانے کی جدوجہد میں لگ جاتے ہیں وہ جس نظام سے بیزار ہو کر اسے تبدیل کرنے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے ہم اسی مغربی نظام تعلیم کے لیے بے تاب ہیں۔ ۴۸؎

The Evidence: Single - Sex vs Coed

شواہد

انگلینڈ جولائی 2002: دی نیشنل فاؤنڈیشن فار ایجوکیشنل ریسرچ نے یہ لکھا ہے کہ تمام انگلینڈ میں 2.459 ہائی سکولز میں جہاں پر Single-Sex پبلک ہائی سکولز بہت زیادہ تعداد میں موجود ہیں۔ انہوں نے 8 جولائی 2002ء کو اپنی رپورٹ پیش کی۔ ۴۹؎

۴۵؎ Mast L.K-Sex Respect: The options of true sexual freedom. Bradley illinois, respect line.

۴۶؎ Zamichow. Noraet Ad, Teenage sex Ladies home journal oct 1986.

۴۷؎ Children having children. Time-Dec 9, 1985.

۴۸؎ Hatcher, Rebert and J adams. Solving the teenage pregnancy medical Aspects of Human Sexuality march 1980.

۴۹؎ Allison Gordon. In a class of their own boys benefits even more than girls from Single-Sex Schools. A level graders study reveals. In the mail on Sunday (UR) june 11, 2000. P 42.

انہوں نے دریافت کیا:

دونوں لڑکیاں اور لڑکوں نے Single-Sex سکولز میں بہ نسبت Coed سکولز کے زیادہ اچھا کام کیا۔ اس عمر کے گروپ میں (سینئر ہائی سکول) میں لڑکوں کے لیے لڑکیوں کی نسبت بہت زیادہ فائدے ہیں۔

Single-Sex سکولز میں لڑکیاں زیادہ تر Non-traditional کورس کا انتخاب کرتی ہیں۔ وہ کورسز جو Gender Stereotypes کے مخالف ہوتے ہیں۔ جیسا کہ Advanced Maths اور Phsyics ایک بڑی آسٹریلین تحقیق۔ 2000: آسٹریلین کونسل فار ایجوکیشن ریسرچ (ACER) نے Single-Sex اور Co-educational سکولوں میں طالبعلموں کی کارکردگی کا موازنہ کیا جو کہ 2,70,00 طالبعلموں پر مشتمل 6 سالہ تحقیق پر بنیاد کرتی تھی اور 53 مضمونوں پر۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ: دونوں لڑکے اور لڑکیاں جو Single-Sex کلاس روم میں پڑھے تھے انہوں نے تقریباً اوسط 15.22 فیصد نمبر حاصل کیے تھے۔ Single-Sex سکولوں میں لڑکے اور لڑکیاں زیادہ تہذیب یافتہ اور پڑھائی کے معاملے میں زیادہ دلچسپی لینے والے پائے گئے۔[۵۰]

---

۵۰ Allison Gordon. In a class of their own boys benefits even more than girls from Single-Sex Schools. A level graders study reveals. In the mail on Sunday (UR) june 11, 2000. P 42.